(۳۶)

اعلان کردہ سکیم کے متعلق چند باتیں

(فرمودہ ۱۶- نومبر ۱۹۳۴ء)

تشہّد ' تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

مَیں نے اپنی طرف سے پچھلے خطبہ جمعہ میں اُس مضمون کو ختم سمجھا تھا جو حکومت کے بارے میں تھا اور غالباً آج کے خطبہ میں مجھے اُس حصہ کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہ پڑتی اور اپنے ارادہ کے مطابق تو مَیں فیصلہ کرچکا تھا کہ اس بارے میں سردست کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس دوران میں مجھے ایک خط ملا جس نے مجھے پھر تحریک کی کہ اس حصہ کے متعلق میں اپنے خیالات کی کسی قدر اور وضاحت کردوں- یہ وضاحت ان واقعات کے متعلق نہیں ہے جن کو تفصیل کے ساتھ میں نے بیان کیا تھا بلکہ یہ وضاحت اس طریقِ عمل کے متعلق ہے جو ہماری جماعت کو میرے نزدیک حکومت کے متعلق اختیار کرنا چاہیئے- یا جس طریقِ عمل پر ہم ہمیشہ کاربند رہتے چلے آئے ہیں- میں یہ وضاحت سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میری ساری عمر میں میرا نقطہ نگاہ یہ کبھی نہیں ہوا کہ میں غیر معمولی جوش دکھاؤں یا غیر معمولی طور پر اپنے آپ کو جوشوں کے حوالے کردوں- ساری عمر میں مجھے ایک واقعہ یاد ہے اور وہ خلافت سے پہلے کا ہے اس میں کچھ میری عمر کا بھی تقاضا تھا مگر بہرحال ساری عمر میں مجھے وہی واقعہ یاد ہے جس کے متعلق اب مجھے محسوس ہورہا ہے کہ اس وقت میرے فیصلے کا توازن باقی نہیں رہا تھا اور اگر ایک ساعت اور ایک لحظہ کے اندر اندر میری غلطی مجھ پر واضح نہ ہوجاتی تو شاید مجھ سے کوئی ایسی حرکت ہوجاتی جس کے متعلق بعد میں مجھے

شرمندگی محسوس ہوتی اور میں خیال کرتا کہ میں نے جلد بازی سے کام لیا- اس واقعہ کے علاوہ مجھے اپنی ساری زندگی میں کوئی ایسا واقعہ نظر نہیں آتا جبکہ میرے ہوش و حواس کھوئے گئے ہوں، جبکہ غصہ یا غیرت نے میری عقل کو کمزور کردیا ہو اور جبکہ میری قوتِ فیصلہ میں کسی وجہ سے ضعف آگیا ہو بلکہ ہر حالت میں خواہ وہ خطرناک ہو یا معمولی، خواہ حکومت سے تعلق رکھنے والی ہو یا رعایا سے، ہمیشہ خدا تعالیٰ کے فضل سے میری عقل میرے جذبات پر غالب رہی ہے اور میری دینی سمجھ میرے جوشوں کی راہنمائی کرتی رہی ہے اور یہی بات اس موقع پر بھی ہے- اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس موقع پر میرے دل میں غیرت پیدا ہوئی اور سلسلہ کی ہتک اور سلسلہ کے متعلق آئندہ خطرات کو دیکھتے ہوئے میری طبیعت میں ایسا جوش پیدا ہوا جو بغیر تسلی اور اطمینان کے دبنے کو تیار نہیں- اور اِنْشَاءَ اللّٰہُ اس کے بغیر نہیں دبے گا مگر باوجود اس کے میں نے عقل نہیں کھوئی اور نہ اس راستہ کو ایک منٹ کیلئے بھی چھوڑا ہے جس کی سلسلہ احمدیہ ہمیں تعلیم دیتا ہے اور جس کی دنیا میں ہم ہمیشہ تبلیغ کرتے رہتے ہیں-

پس میری تمام سکیم اور میرے تمام جذبات کے چاروں کونے اور اس کی بنیادیں ان نشانات پر ہیں جن کو شریعت نے قائم کیا اور جن کو سلسلہ احمدیہ نے دنیا پر ظاہر کیا اور میری سکیم کا ایک باریک ذرہ بھی ان بنیادوں سے باہر نہیں جن کو شریعتِ اسلام اور سلسلہ احمدیہ نے قائم کیاہے- پس مجھے ان لوگوں کی باتیں ناپسند ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ کون سی اہم بات تھی ایک شخص کے فعل پر اتنا جوش دکھانا نہیں چاہیئے تھا اور گو میں نہیں کہہ سکتا اس قسم کی بات کہنے والے بہت سے لوگ ہیں کیونکہ ایک سے زیادہ خط مجھے اس بارہ میں نہیں آیا- لیکن چونکہ ممکن ہے کہ بعض اور بھی لوگ ہوں جو یہ خیالات رکھتے ہوں اس لئے میں نے "لوگ" کا لفظ استعمال کیا- اس لکھنے والے نے لکھا ہے کہ حکومت کی طرف سے جو نوٹس دیا گیا وہ ایک شخص کا فعل ہے- پس اس سے زیادہ ہمیں اس کو اہمیت نہیں دینی چاہیئے- میں نے اپنے گزشتہ خطبات میں بتایا ہے کہ یہ ایک شخص کا فعل نہیں اور نہ ہی ہمارے متعلق حکومت کا یہ ایک فعل ہے بلکہ افعال کا ایک لمبا سلسلہ ہے جس میں کچھ مقامی ضلع کے افسر اور کچھ مرکزی گورنمنٹ کے افسر شامل ہیں مگر دوسری طرف جو خط آیا ہے اس کے لحاظ سے ممکن ہے کہ اس قسم کے خیالات رکھنے والے لوگ بھی ہماری جماعت میں ہوں اس لئے میں وضاحت سے بعض باتیں کہہ دینا چاہتا ہوں-

جس خط کا میں نے ذکر کیا ہے اس کا مضمون یہ ہے کہ ہم دیر سے محسوس کر رہے ہیں کہ انگریز لوگ بغیر شورش اور فساد کے کوئی بات نہیں مانا کرتے اور یہ کہ اس دوست کے نزدیک اب وقت آگیا ہے کہ ہم گورنمنٹ کے متعلق اس وفاداری کی تعلیم پر جو ہمارے سلسلہ میں موجود ہے' دوبارہ غور کریں اور سوچیں کہ کیا اس کی تشریح حد سے بڑھی ہوئی تو نہیں اور کیا وفاداری کا جو مفہوم ہم سمجھتے چلے آئے ہیں' وہ خوشامد اور نکمّاپن تو نہیں۔ غرض اس دوست کے نزدیک ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان تمام باتوں پر غور کرکے ہم پھر ایک رائے قائم کریں اور اس کے مطابق اپنے سلسلہ کی پالیسی کو ڈھالیں۔ گو اس خط میں جو مجھے لکھا گیا' سلسلہ کی تعلیم کی عظمت کو قائم رکھا گیا ہے اور گو اسلام کی عظمت اور اس کے احکام کی پابندی کو بھی ملحوظ رکھ لیا گیا ہے لیکن اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نوجوان کے دل میں اور ممکن ہے بعض اور نوجوانوں کے دلوں میں بھی یہ خیال ہے کہ سلسلہ کی وفاداری کی تعلیم کے جو معنے لئے گئے ہیں' وہ زیادہ گرے ہوئے اور اپنے اندر تذلّل رکھنے والے ہیں۔ مگر میں بتادینا چاہتا ہوں کہ حکومت کی وفاداری کی ہمارے سلسلہ کی طرف سے جو تعریف کی گئی ہے وہ ایسے وثوق اور یقین کے ماتحت کی گئی ہے کہ میں آج بھی اسے ویسا ہی صحیح اور درست سمجھتاہوں جس طرح آج سے پہلے درست سمجھا کرتا تھا۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ یہی تعریف ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور رسول کریم ﷺ اور خداتعالیٰ کے منشاء کو پورا کرنے والی ہے۔ اور خواہ آئندہ کیسے ہی خطرناک حالات پیش آئیں بغیر ایک منٹ کے توقف کے میں اسی راہ پر چلنے کو تیار ہوں جس پر ہم ہمیشہ سے چلتے آئے کیونکہ مجھے یقین کامل ہے کہ حکومت کی وفاداری کی ہمارے سلسلہ میں جو تعلیم ہے اور اس کی جو تشریح کی گئی ہے' وہ کیا بلحاظ ضرورت کے' کیا بلحاظ خداتعالیٰ کے حکم اور اس کے منشاء کے اور کیا بلحاظ اسلام کے مفاد اور اس کی ترقی کے بالکل صحیح اور درست ہے اور اس میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں۔ اُس دوست نے اپنے خط میں ایک واقعہ بھی پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ ایک دفعہ پبلک پراسیکیوٹر کے سلسلہ میں سب انسپکٹری کیلئے بطور امیدوار پیش تھے' لاہور کے سینئر سپرنٹنڈنٹ مسٹر ہارڈنگ کے سامنے جب انہوں نے اپنے آپ کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں احمدیہ جماعت میں سے ہوں اور احمدیہ جماعت وہ ہے جو حکومتِ برطانیہ کی ہمیشہ وفادار رہی ہے۔ تو مسٹر ہارڈنگ نے کہا میں احمدیہ جماعت کی وفاداری کی کوئی حیثیت نہیں سمجھتا۔ وہ

دوست لکھتے ہیں جب ہماری جماعت کی وفاداری کے کوئی معنے ہی نہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم لاکھوں روپیہ حکومت کی بہبودی کیلئے خرچ کریں اور اپنی سینکڑوں قیمتی جانوں کو خطرات میں ڈالیں اور حکومت کی وفاداری ان معنوں میں کرتے چلے جائیں کہ نازک اور مشکل مواقع پر اس کی حمایت کریں۔

پہلے فریق کی غلطی میں پیچھے ثابت کرچکا ہوں اور بتاچکا ہوں کہ وہ ایک شخص کا فعل ہے اور نہ اپنی ذات میں منفردانہ واقعہ ہے۔ اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر یہ اکیلا فعل بھی ہو اور ایک شخص کا ہی فعل ہو تب بھی بعض دفعہ ایک شخص کا ہی فعل نہایت بُرے نتائج پیدا کردیا کرتا ہے۔ اور اگر ہمیں بعد میں بھی کبھی معلوم ہو کہ کسی ایک شخص کے فعل سے ہمارے سلسلہ کی آئندہ ترقی پر اثر پڑتا یا ہمارے اور گورنمنٹ کے تعلقات خراب ہوتے ہیں تو لازماً ہمارا فرض ہوگا کہ ہم سلسلہ کی عظمت اور گورنمنٹ سے اپنے تعلقات کی درستی کیلئے اس کا ازالہ کریں۔ ورنہ مذہبی اور سیاسی دونوں لحاظ سے سلسلہ کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اسلام میں اس کی مثال موجود ہے۔ جب رسول کریم ﷺ نے ہوازن پر فتح پائی تو مالِ غنیمت میں ان کے بہت سے گلّے اور ریوڑ بھی آئے، مکہ کے نومسلموں کے متعلق رسول کریم ﷺ چاہتے تھے کہ ان کے دلوں کو محبت اور پیار سے اسلام کی طرف مائل رکھیں، دوسرے اس لئے کہ مکہ والے سمجھتے تھے کہ شاید مسلمان ہماری پرانی مخالفت کی وجہ سے دل میں ہم سے بغض رکھتے ہیں، رسول کریم ﷺ نے یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ ہم پرانی مخالفتوں کو یاد نہیں رکھتے بلکہ بُھلادیا کرتے ہیں، ریوڑوں کے ریوڑ ان میں تقسیم کردیئے۔ اس پر انصار میں سے ایک نوجوان جو اس حکمت کو نہیں سمجھتا تھا، کھڑا ہوا اور اس نے کہا تلواروں سے تو ہماری خون ٹپکتا ہے مگر جب ہم نے جانیں قربان کرکے فتح حاصل کی تو مال مکّے والے لے گئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہوازن کے معرکہ میں سب سے زیادہ قربانی انصار نے ہی کی تھی۔ میں نے کئی دفعہ بتایا ہے کہ جنگ حنین میں کفار کے مقابلہ میں ان نومسلموں کی وجہ سے جو صحابہ کے ساتھ جنگ میں شامل ہوگئے تھے اور کچھ ان کفار کی وجہ سے جو مسلمانوں کی طرف سے ہوکر لڑے، ان میں بھاگڑ پڑگئی اور وہ میدان جنگ سے بھاگ نکلے یہاں تک کہ صرف بارہ آدمی رسول کریم ﷺ کے پاس رہ گئے۔ اس وقت ہوازن کے چارہزار تجربہ کار تیرانداز مسلمانوں پر تیروں کی بارش برسارہے تھے اور مسلمانوں کے گھوڑے اور ان کے اونٹ

بے تحاشا بھاگے جارہے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے جب یہ حالت دیکھی تو آپ نے حضرت عباس سے جن کی آواز بہت بلند تھی کہا عباس زور سے آواز دو کہ اے انصار! خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے۔ آپ نے اس موقع پر مہاجرین کو نہیں پکارا بلکہ انصار کو پکارا۔ انصار خود کہتے ہیں جب ان کے کانوں میں یہ آواز پہنچی کہ اے انصار! خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے تو انہیں یوں معلوم ہوا کہ صُورِ اسرافیل پھونکا جارہا ہے اور قیامت کا دن آگیا ہے۔ جو شخص اپنی سواری کو موڑ سکا وہ اپنی سواری کو دوڑاتے ہوئے اور جس کی سواری نہ مڑسکی اس نے تلوار سے اس کی گردن اڑاتے ہوئے تیزی سے رسول کریم ﷺ کی طرف بڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ چند منٹ میں ہی میدان صحابہ سے بھرگیا اور مسلمانوں کی شکست فتح میں تبدیل ہوگئی [1]۔

یہ فتح جو ہوازن کے مقابلہ میں مسلمانوں کو حاصل ہوئی' خصوصیت سے انصار کی فتح تھی مگر جب ایک بیوقوف نوجوان نے یہ الفاظ کہے کہ خون ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے مگر ریوڑ مکہ والے لے گئے تو رسول کریم ﷺ نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا اے انصار! مجھے تمہاری طرف سے یہ بات پہنچی ہے۔ انصار رو پڑے اور انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللہ! اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں یہ ایک نادان نوجوان کے منہ کے الفاظ ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے ان کی اس بات کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور فرمایا۔ تم کہہ سکتے تھے کہ محمد (ﷺ) اکیلا تھا' اس کی قوم نے اسے ردّ کردیا' اس کے وطن والوں نے اسے اپنے گھر سے نکال دیا' اس کی تکذیب کی' اس کی تکفیر کی اور اس کے قتل کا ارادہ کیا مگر ہم گئے اور اسے اپنے وطن میں لائے' اپنی عزتیں اس پر قربان کیں' اپنی جانیں اس پر فدا کیں اور جب لڑائی ہوئی تو اس کے دائیں بھی لڑے اور بائیں بھی' آگے بھی لڑے اور پیچھے بھی' یہاں تک کہ اس کے بھائیوں سے لڑ کر وہ شہر جس میں سے اسے نکالا گیا تھا' فتح کیا اور اس کیلئے جانی اور مالی ہر رنگ کی قربانی کی مگر جب مال دینے کا وقت آیا تو اس نے اپنے رشتہ داروں اور وطن والوں کو تو مال دے دیا مگر ہمیں یاد نہ رکھا۔ انصار ایسی مخلص جماعت بھلا اس کو کب برداشت کرسکتی تھی۔ ان کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی اور انہوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللہ! ہم تو کہہ چکے یہ ایک نادان نوجوان کا فعل ہے' ہم اس سے بیزار ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے پھر ان کی بات کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور فرمایا اے انصار! تم ایک اور بات بھی کہہ سکتے تھے اور وہ یہ کہ خدا

نے محمد (ﷺ) کو مکہ میں پیدا کیا مگر مدینہ والوں کی قربانیاں خداتعالیٰ کو کچھ ایسی پسند آئیں کہ وہ اپنے خَاتَمَ النَّبِیّٖن کو مکہ سے اٹھاکر مدینہ میں لے آیا' پھر مدینہ والوں کی قربانیوں کو خداتعالیٰ نے نوازا اور انہیں توفیق دی کہ وہ اس کے وعدوں کے پورا کرنے والوں میں شامل ہوئے اور جب خداتعالیٰ نے خاص اپنی طاقتوں اور بے انتہا قدرتوں کے نتیجہ میں مُلکِ عرب کو اس کے رسول کے تابع کردیا اور مکہ جس میں سے اسے نکالا گیا تھا فتح ہوگیا تو مکہ والے تو اونٹ اور بھیڑیں ہانک کر لے گئے مگر مدینہ کے لوگ خدا کے رسول کو اپنے گھر لے آئے۔ انصار نے پھر روتے ہوئے کہا یَارَسُوْلَ اللہ! جو کچھ ہوا' وہ ہمارے ایک بیوقوف نوجوان کا قول تھا ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ نے فرمایا جو کچھ ہونا تھا ہوچکا۔ اس ایک نادان کے قول کی وجہ سے اب تم دنیا کی بادشاہت سے ہمیشہ کیلئے محروم رہو گے' تم نے جو کچھ لینا ہے' وہ مجھ سے حوض کوثر پر آکر لینا[۲] - تیرہ سو برس گزر گئے اس واقعہ کے بعد عرب حاکم ہوئے' مصری حاکم ہوئے' سپینش نسل کے لوگ حاکم ہوئے' مورش حاکم ہوئے' پٹھان حاکم ہوئے' مغل حاکم ہوئے مگر رسول کریم ﷺ کے گرد جانیں قربان کرنے والے انصار کسی چھوٹی سی ریاست کے مالک بھی نہ بن سکے۔

کتنی بڑی اہمیت ہے جو ایک نادان کے قول کو دی گئی اور یہ اہمیت اسی لئے دی گئی کہ اگر یہ بات برداشت کرلی جاتی تو یہ امر مشتبہ ہوجاتا کہ نبی کے زمانہ میں جب کوئی قوم قربانی کرتی ہے تو وہ احسان نہیں کرتی بلکہ درحقیقت اس پر خداتعالیٰ کا احسان ہوتا ہے کہ اسے خدمت دین کی توفیق دی گئی۔ پس اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ ایک شخص کا فعل ہے یا اپنی ذات میں منفردانہ واقعہ' تب بھی یہ معاملہ اپنی ذات میں کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا بلکہ اس قابل رہتا ہے کہ اس کی طرف زیادہ توجہ کی جائے مگر جیسا کہ مَیں ثابت کرچکا ہوں کہ یہ ایک شخص کا فعل نہیں بلکہ ایک سے زیادہ افسر اس میں شریک ہیں۔ دوسرے یہ اکیلا واقعہ نہیں بلکہ واقعات کا ایک لمبا سلسلہ ہے جس کی یہ ایک کڑی ہے۔ اسی طرح جو دوسرا اعتراض ہے اس کے بارہ میں مَیں تسلیم کرلیتا ہوں کہ مسٹرہارڈنگ نے یہ کہا ہو کہ میں جماعت احمدیہ کی وفادارانہ خدمات کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا۔ گو ممکن ہے اس دوست کو بات کے سمجھنے میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو لیکن یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ مسٹرہارڈنگ نے یہ کہا ہم نہیں کہہ سکتے کہ ساری انگریز قوم انہی خیالات کی مؤیّد ہے کیونکہ وہ صرف ایک کی غلطی ہے اور ان الفاظ کے

معنی یہ ہیں کہ ہم جماعت احمدیہ کی وفاداری کے بدلے اسے عہدے نہیں دے سکتے- یہ ایسی غلطی ہے جو کئی انگریزوں کو لگی ہے- وہ ایسے وقت جبکہ انہیں کسی وفادار جماعت کی ضرورت ہو' جماعت احمدیہ کو مدد کیلئے بلاتے ہیں مگر جب عہدے دینے کا سوال ہو تو کانگرسیوں کو دے دیتے ہیں- مگر اس کا خمیازہ بھی گورنمنٹ بُھگت رہی ہے اور اب حالت یہ ہے کہ حکومت کے اپنے راز بھی محفوظ نہیں- ایک دفعہ گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک افسر کو مجھ سے کسی مدد کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے مجھ سے خواہش کی کہ میں ان کیلئے کوشش کروں- اس غرض کیلئے میں نے ایک خط لکھوایا مگر جس دوست کو وہ خط بھجوایا گیا تھا انہوں نے لکھا کہ مجھے خط ایسی حالت میں ملا ہے کہ مجھے شبہ ہے وہ رستہ میں کھولا گیا ہے اور اس کا مضمون ڈاک خانہ میں پڑھ لیا گیا ہے- پھر عجیب بات یہ ہے کہ خط یہاں سے ٹکٹ لگا کر بھیجا گیا تھا مگر وہاں جب پہنچا تو اس پر کوئی ٹکٹ نہ تھا- لطیفہ یہ ہوا کہ چِٹھّی رساں جب خط لے کر گیا تو وہ کہنے لگا کہ یہ تھا تو بیرنگ مگر میں ڈاک خانہ سے اسے چوری لے آیا ہوں تاکہ آپ کو پیسے نہ دینے پڑیں مگر اس کا صاف یہ مطلب تھا کہ خط کھولا گیا اور اس کا مضمون پڑھ لیا گیا مگر چونکہ خط کھولتے وقت ٹکٹ پھٹ گیا اس لئے اسے بغیر ٹکٹ ظاہر کیا گیا- مگر بِلا ٹکٹ خط پہلے پوسٹ مین کے ہاتھ میں نہیں آسکتا بلکہ کلرک کے ہاتھ میں آنا چاہیئے تھا اور اس صورت میں وہ فوراً بیرنگ کردیا جاتا لیکن ایسا نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ پوسٹ مین کو یہ سکھا کر روانہ کیا گیا کہ تم کہہ دینا کہ یہ خط تھا تو بیرنگ مگر میں اسے چوری لے آیا ہوں تاکہ آپ کو پیسے نہ دینے پڑیں- اس سے پہلے کبھی یہ خیر خواہی ڈاک خانہ والوں کے ذہن میں نہ آئی تھی- پس بات صاف تھی کہ وہ خط کھولا گیا اور اس کے مضمون کو پڑھ لیا گیا-

اب یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ خط کس نے پڑھا؟ سو اس کے متعلق دو ہی صورتیں تھیں- ہمیں یہ بھی معلوم تھا کہ کانگرس کی تائید میں خط کھولے جاتے ہیں- چنانچہ کئی دفعہ جب ولایتی مال آتا تو کانگرسیوں کو اطلاع مل جاتی اور امرتسر وغیرہ سٹیشنوں پر گاڑی پہنچنے سے پہلے ہی کانگرسی پہنچ جاتے اور شور مچانا شروع کردیتے- پس ہمیں معلوم تھا کہ ڈاک خانہ کے عملہ میں سے بہت سے لوگ کانگرسیوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور وہ خطوط کھول کر پڑھ لیتے ہیں تاکہ اگر کوئی اہم بات ہو تو کانگرس کو اس سے آگاہ رکھا جائے- خصوصاً گورنمنٹ کے خطوط کو تو وہ ضرور پڑھتے تھے- پھر یہ بھی ہوسکتا تھا کہ گورنمنٹ نے خود اس خط کو کھولا ہو

کیونکہ ان دنوں اس علاقہ میں شورش تھی اور قیاس ہو سکتا تھا کہ گورنمنٹ نے ڈاک پر سنسر بٹھایا ہوا ہو۔ بہرحال جب مجھے معلوم ہوا کہ خط کھولا گیا تو میں نے شکایت کی کہ اگر اس علاقہ میں سنسر تھا تو اس افسر کو پہلے بتادینا چاہیئے تھا تاکہ اس خط کا مضمون نااہل لوگوں کی نظروں سے نہ گزرتا۔ اس صورت میں ہم آدمی کے ہاتھ خط بھجوا دیتے۔ اس کا جواب اس افسر نے یہ دیا کہ واقعہ سے ظاہر ہے کہ خط کھول کر پڑھا گیا ہے لیکن اس علاقہ میں سنسر نہیں ڈاک خانہ میں جو کانگرس سے ہمدردی رکھنے والے لوگ ہیں' وہ بھی خط پڑھ لیتے ہیں ایسے لوگوں نے کھولا ہوگا۔ پس اب تو گورنمنٹ کے خطوط بھی محفوظ نہیں رہے اور اگر کوئی اہم راز کی بات لکھنی ہو تو گورنمنٹ کو اپنے آدمیوں کے ذریعہ وہ خبر بھجوانی پڑتی یا اور قابلِ اعتماد ذرائع کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔ غرض گورنمنٹ کی اب یہ حالت ہے کہ اس کے اپنے خطوط بھی محفوظ نہیں اور اس کی کوئی بات ایسی نہیں جو دوسروں کے پاس پہنچ نہ جاتی ہو۔ ایک دفعہ گورنمنٹ کے ایک سیکرٹری شملہ میں چائے پر میرے پاس آئے۔ میں نے انہیں کہا کہ آپ کی ہر بات کانگرس کے پاس پہنچتی رہتی ہے آپ کو بھی کوئی ایسا انتظام کرنا چاہیئے کہ ان کی باتیں آپ کو پہنچتی رہیں۔ انہوں نے کہا آپ کو یہ کس نے بتایا ہے کہ ہم نے کانگرس میں اپنے آدمی نہیں رکھے ہوئے۔ ہماری باتیں انہیں پہنچتی رہتی ہیں اور ان کی باتیں ہمیں معلوم ہوتی رہتی ہیں۔ یہ حالت اسی لئے ہوئی ہے کہ گورنمنٹ خیال نہیں رکھتی کہ وفادار جماعتوں کو اعلیٰ عہدوں پر پہنچائے۔ اگر اعلیٰ عہدوں پر اس کی وفادار جماعت کے ارکان ہوں تو اس کے راز مخفی رہیں اور کبھی بھی وہ حالت نہ ہو جو آج کل ہے۔

سراوڈوائر(SIR O'DWYER) سابق لیفٹیننٹ گورنر (LIEUTENANT GOVERNOR) جو مسلمانوں کے نہایت خیرخواہ اور ہندوستانیوں کے ہمدرد افسر تھے وہ کہا کرتے تھے کہ ہندوستان کی گورنمنٹ ایسے اصول پر قائم ہے کہ نہ دشمن کو اس سے ڈرنے کی ضرورت ہے اور نہ دوست کو کسی امداد کی امید۔ اور جب تک یہ حالت پیدا نہ ہوگی کہ گورنمنٹ واضح کردے کہ اس کا دوست فائدہ میں رہتا اور اس کا دشمن نقصان اٹھاتا ہے' اس وقت تک صحیح معنوں میں امن قائم نہیں ہو سکتا۔ پس مسٹر ہارڈنگ نے جو کچھ کہا اس سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے وہ درست نہیں اس لئے کہ کسی ایک شخص کا فعل ساری قوم کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ کیا انگریز قوم ساری ہی ایسی ہے کہ وہ وفاداروں کی قدر نہیں کرتی۔ کبھی نہیں' ہم تو

ایسے انگریزوں کو جانتے ہیں کہ جب انہیں معلوم ہو کہ کوئی قوم یا فرد اپنے جائز حقوق کیلئے جدوجہد کررہا ہے تو وہ دھڑلّے اور جرأت کے ساتھ اس کی تائید کرتے ہیں۔ میں ایسے انگریز افسروں کے نام بھی لے لیتا اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ میرے نام لینے سے ان کے راستہ میں کوئی مشکلات پیدا نہیں ہوں گی۔ خود پنجاب گورنمنٹ میں بھی ایسے افسر ہیں جو ہمیشہ ہمارے ساتھ وفاداری کا سلوک کرتے چلے آئے ہیں اور جب بھی ہمیں مشکلات پیش آئی ہیں انہوں نے ہمارا ساتھ دیا ہے اور جب انہیں معلوم ہوا ہے کہ حکام ہمارے متعلق ناواجب سختی سے کام لے رہے ہیں تو انہوں نے اس کا ازالہ کیا ہے۔ پس اگر کسی مسٹر ہارڈنگ نے یہ کہا کہ ہم جماعت احمدیہ کی وفاداری کی کوئی قدر نہیں کرتے' تو ایسے بھی تو انگریزوں میں بہت سے افسر ہیں جو ہماری وفاداری کی قدر کرتے اور اسے عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ پس ایک شخص کے قول سے ہم بہت سے انگریز افسروں کے فعل کو کس طرح باطل کرسکتے ہیں۔ مؤمن کا تو یہ کام ہے کہ وہ نیکی کو یاد رکھتا اور بدی کو بھول جاتا ہے۔ پھر جبکہ ایسے انگریز افسروں کی کمی نہیں جو نیک کام کرتے اور ہمدردی اور خیرخواہی کے رنگ میں ضرورت پر مدد کرتے اور تکالیف کے ازالہ کی کوشش کرتے ہیں اور جب جانتے ہیں کہ حق ہمارا ہے تو وہ ہمیں دلوانے کی سعی کرتے ہیں اور بسااوقات اپنا رستہ چھوڑ کر بھی ہم سے ہمدردی کرتے ہیں۔ تو ایسی حالت میں چند کوتاہ بین انگریزوں کا فعل ہم پر ذرہ بھر بھی اثر انداز نہیں ہوسکتا۔

دوسرے میرے نزدیک یہ شکایت کرنے والے کی اپنی غلطی ہے کیونکہ اس نے ہماری جماعت کی خدمات سے خود فائدہ اٹھانا چاہا جو کسی طرح درست نہیں۔ ہم گورنمنٹ سے جو تعلق رکھتے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں تو یہ اپنے کسی فائدہ کیلئے نہیں کرتے بلکہ اس لئے کرتے ہیں کہ ہمارا مذہب ایسا کرنے کا حکم دیتا ہے اور گورنمنٹ کا فرض ہے کہ وہ وفاداروں کا لحاظ کرے اور انہیں دوسروں پر ملازمت وغیرہ میں ترجیح دے مگر وہ ایسا کرتی نہیں۔ حکومت کے بہت سے افسر قربانیوں کو نہیں دیکھتے' صرف گردوپیش کے خوشامدیوں پر ان کی نظر ہوتی ہے۔ ان کی مثال بالکل وہی ہے جو ہمارے ملک میں مشہور ہے کہ "انھّاں ونڈے ریوڑیاں مُڑ مُڑ اَپنیاں نوں"۔ یعنی ریوڑیاں بانٹنے والا اندھا اپنوں کو ہی ریوڑیاں دیتا ہے۔ جس کسی سے ذاتی تعلقات ہوتے ہیں' اسے ملازمت وغیرہ میں ترجیح دے دی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک میں بے چینی پھیلی رہتی ہے اور گورنمنٹ پر لوگوں کے اعتماد کو

صدمہ پہنچتا ہے۔ ہمارا ہی ایک عزیز تھا' گو اس سے جدّی رشتہ تو نہیں مگر بعض اور رشتوں کے لحاظ سے اس سے ہمارا تعلق ہے' ایک دفعہ تحصیلداری کیلئے اس نے نام پیش کیا اور سلسلہ کے کارکنوں نے اس کی سفارش کی کہ اس خاندان سے حکومت کے پرانے تعلقات ہیں اس نوجوان کا اگر خیال رکھا جائے تو اچھا ہوگا خصوصاً جبکہ وہ ذاتی طور پر بھی قابل ہے مگر انگریز ڈپٹی کمشنر نے اتنی تکلیف بھی گوارا نہ کی کہ اس کا نام بھجوادیتا اور دوسرے ایسے امیدواروں کے نام بھجوادیئے جو صرف حاشیہ نشینی کا امتیاز رکھتے تھے۔ اس کے بعد کمشنر سے کہا گیا کہ اب آپ کو اختیار ہے آپ چاہیں تو بلاسکتے ہیں چنانچہ اس نے ہمارے عزیز کو بلالیا۔

غرض بعض انگریز یقیناً ایسے ہیں جو اس قسم کی غلطی کرتے ہیں۔ مگر درحقیقت انہیں اس طرح نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ملک کی بہتری اسی میں ہے کہ جو لوگ حکومت سے تعاون کرنے والے ہوں ان کا زیادہ خیال رکھا جائے اور ان کی اقتصادی حالت درست کی جائے۔ اس لحاظ سے خواہ ہم خود نہ مانگیں' گورنمنٹ کا فرض ہے کہ وہ ہمارا لحاظ رکھے لیکن یہاں چونکہ ہماری جماعت کے ایک آدمی نے اعتراض کیا ہے' اس لئے میں کہتا ہوں کہ اس نے غلطی کی کیونکہ جماعت کی خدمات سے خود فائدہ اٹھانے کی سعی کرنا بہت معیوب بات ہے۔ اسی قسم کی غلطی جماعت کے ایک اور دوست نے بھی کی تھی۔ وہ لائل پور کے رہنے والے ہیں انہوں نے کسی ذاتی مفاد کیلئے ڈپٹی کمشنر کے سامنے جماعت کی وفادارانہ خدمات پیش کیں اور چونکہ آدمی مخلص تھے اس لئے انہوں نے مجھے بھی لکھ دیا کہ میں نے ڈپٹی کمشنر کو یہ کہا ہے۔ میں نے انہیں فوراً لکھا کہ یہ آپ نے سخت غلطی کی آپ ڈپٹی کمشنر کے پاس جائیں اور اس سے کہیں کہ میں نے جو کچھ کہا وہ غلطی سے کہا اور یہ کہ میرے لئے ایسا کہنا جائز نہ تھا۔ پس قومی خدمات سے کسی فرد کو فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ ہاں یہ مرکزی افسروں کا کام ہے کہ وہ حکام کے کانوں میں یہ بات ڈالتے رہیں کہ حکومت سے تعاون اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے والوں سے نمایاں سلوک ہونا چاہیئے تاکہ یہ سلوک ان کے جذباتِ اطاعت کو بیدار کرنے میں ممدّ ہو۔ ورنہ ہمارا اصل یہ ہے کہ ہم نہ ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں نہ جائز بلکہ اس بات کے قائل ہیں کہ اپنی قابلیت سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اگر ہم کبھی سفارش سے کام کراتے ہیں تو اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں جب زید نے سفارش سے فلاں عہدہ حاصل کرنا ہے تو ہم کیوں نہ بکر کی سفارش کردیں۔ پس یہ ایک عام رَو کے ماتحت ہمارا

طریقِ عمل ہے ورنہ اگر عہدوں کا ملنا لیاقت پر موقوف رکھا جائے تو ہم کبھی کسی کی سفارش نہ کریں۔ پس میرے نزدیک اس دوست کا فعل ایک غلطی ہے۔ ہمارا اصول یہ ہے کہ ہم حکومت کی خدمات اپنے عقائد کی بناء پر کرتے ہیں' اسی طرح ملک اور سیاست کے فائدہ کیلئے کرتے ہیں نہ کہ انگریزوں پر احسان کرنے کیلئے۔ پس یہ جائز نہیں کہ جماعتی خدمات کو شخصی مفاد کیلئے پیش کیا جائے۔ برطانوی حکومت سے تعاون کی وجہ حقیقت میں یہ ہے کہ برطانوی ایمپائر (EMPIRE) کے متعلق مجھے یقین کامل ہے کہ دنیا کے آئندہ امن کیلئے یہ بطور بیج ہے۔ آج جس قدر دنیا میں فساد نظر آتا ہے ایک قوم دوسری قوم پر اور ایک حکومت دوسری حکومت پر چڑھتی نظر آتی ہے اس کشمکش کو دور کرنے کیلئے برطانوی ایمپائر بہترین نمونہ ہے۔ اس کے ماتحت بعض آزاد ملک ہیں جو اپنی اقتصادیات' افواج اور بری اور بحری جنگوں کے خودمختار ہیں مگر اس کے باوجود اخلاقی رنگ میں ان کا انگلستان سے بھی تعلق ہے۔ وہ انگلستان کیلئے قربانی کرنے پر تیار رہتے ہیں اور انگلستان ان کیلئے قربانی کرنے پر آمادہ رہتا ہے۔ یہ حکومت کا ایک ایسا خوبصورت نمونہ ہے جسے توڑنا دنیا پر ظلم کرنا ہے۔ ہم اگر اس نمونہ کی طرف دنیا کو لانے کی کوشش کریں تو کل کو وہ مشن بھی کامیاب ہو کر رہے گا جو خدا تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے اور جس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا سے فساد دور کیا جائے اور عالمگیر طور پر امن قائم کیا جائے۔ مجھے اپنے اس عقیدہ پر اس قدر یقین ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ جب میں اس کے متعلق انگریزوں سے گفتگو کرتا ہوں تو ان میں سے کئی اپنے دل میں ہنستے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ ہم نے آج ایک پاگل دیکھا ہے۔ مگر میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو خود انگریزوں کو بھی نظر نہیں آتا کیونکہ میری آنکھوں کو غیب بینی کی قوت دی گئی ہے اور وہ اس سے محروم ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ دنیا آئندہ انہی کے ساتھ وابستہ ہو کر ترقی کرے گی مگر میں یہ جانتا ہوں اور ایک اور ایک دو کی طرح مجھے یہ یقین ہے کہ اگر دنیا پُرامن تعاون کی راہ پر ترقی کرنا چاہتی ہے تو اسے برطانوی حکومت کے نمونہ پر ایک ڈھانچہ تیار کرنا ہوگا۔

بہرحال برٹش ایمپائر (BRITISH EMPIRE) اپنے نمونہ اور اپنی ذات کی وجہ سے دنیا میں امن قائم کرنے میں ممد ہے اور خواہ انگریز ہمارے دشمن ہوجائیں' تب بھی میں اس بارے میں اختلاف نہیں کرسکتا کیونکہ وہ ان کا ذاتی فعل ہوگا اور یہ اصول کا سوال ہے۔ یوں بھی اگر انگریزی حکومت کا دوسری حکومتوں سے مقابلہ کرکے دیکھو' تو بہت بڑا فرق نظر آئے

گا- اس میں شبہ نہیں کہ انگریزوں میں اکھڑ، ظالم اور خودپسند ہر قسم کے لوگ ہیں مگر ان میں اچھے سے اچھے لوگ بھی پائے جاتے ہیں- بلکہ اب بھی کثرت ایسے انگریزوں کی ہے جو کوشش کرتے ہیں کہ دنیا میں امن قائم ہو اور اکثریت ایسے انگریزوں کی ہے جو دوسری حکومتوں کے ارکان کے مقابلہ میں بہت زیادہ اچھے ہیں- میں نے فرانسیسی اور روسی حکومت کی رعایا کو دیکھا ہے- ان دونوں حکومتوں کے ماتحت لوگوں نے میرے سامنے جو تکالیف بیان کیں، وہ ان تکالیف سے بہت زیادہ ہیں جوانگریزوں کے متعلق بیان کی جاتی ہیں- شام میں جب مَیں گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ لوگ فرانسیسی حکومت سے جس کے وہ ماتحت رہتے ہیں اتنے شاکی تھے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی- پھران کی باتیں ایسی تھیں جو دل پر نہایت گہرا اثر ڈالتیں- انگریزوں کے متعلق جو باتیں بیان کی جاتی ہیں وہ استدلالی رنگ میں بیان کی جاتی ہیں- مگران کی باتیں واقعات کے پیرایہ میں تھیں- خود مجھے ایک عجیب تجربہ ہوا جب میں انگلستان جاتے ہوئے شام گیا تو وہاں میں نے ایک تبلیغی رسالہ چھپوایا- مسلمانوں نے اس پر شور مچایا کہ اسے ضبط کرلینا چاہیئے- اتفاقاً میں اسی دن فرانسیسی گورنر سے ملنے گیا تھا جب میں وہاں پہنچا تو وہ نہایت ہی میٹھی زبان میں مجھ سے ہمکلام ہوا اور کہنے لگا آپ کیا پئیں گے شربت پئیں گے؟ کافی پئیں گے؟ طبیعت کیسی ہے، آپ کی کیا تواضع کروں، بالکل وہی طریق تھا جو ہمارے ہاں مروّج ہے- دورانِ گفتگو میں اس ٹریکٹ کا ذکر بھی آگیا کہ لوگ اس کے خلاف بِلاوجہ شور کررہے ہیں اور میں نے سنا ہے کہ حکومت اسے ضبط کرنا چاہتی ہے تو وہ کہنے لگا یہ بالکل غلط بات ہے ہمیں مذہبی معاملات میں دخل دینے کا کیا حق ہے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ حکومت نے واقعہ میں اسے ضبط کرلیا تھا- جب بعض افسران کے پاس شکایت کی گئی کہ گورنر تو اس فعل کو ناجائز قرار دیتا ہے پھریہ کس طرح ضبط ہوا تو انہوں نے بتایا کہ خود گورنر کے حکم سے ایسا ہوا ہے اور ہمارے آدمیوں کو بتایا گیا کہ جب وہ آپ کو شربت پلارہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ہم مذہبی معاملات میں دخل نہیں دیا کرتے تو اس سے پہلے وہ اس نوٹس پر دستخط کرچکا تھا- اس ایک مثال سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ سارے فرانسیسی افسرایسے ہی ہوتے ہیں- ان میں نیک اور فرض شناس افسر بھی ہیں لیکن گو وہ زبان کے بہت میٹھے ہوتے ہیں، تعلقات میں ایسی صورت اختیار کرلیتے ہیں جو تشدد اور سختی کارنگ اپنے اندر رکھتی ہے اسی لئے مراکو وغیرہ میں ان کے خلاف سخت جذبہ منافرت پھیلا ہوا ہے- روسی حکومت کے حالات تو سب پر ظاہر ہیں وہ مذہب

میں دست اندازی کرتی ہے۔ پس انگریزوں کے اخلاق روسی اور فرانسیسی افسروں سے بہت زیادہ اچھے ہیں۔ گو میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ہندوستانیوں کے اخلاق سے روسیوں اور فرانسیسیوں کے اخلاق اچھے ہیں۔ ہمارے ہندوستانی تو اخلاق کو بھون کر کھاگئے ہیں اور جب بھی انہیں کسی سے مخالفت ہو' وہ اس کا تختہ الٹنے کی دھمکی دینے سے نیچے نہیں رہتے۔ ان کی مثال بالکل ان فقیروں کی سی ہوگئی ہے جو کہتے ہیں۔ پیسہ دو اور اگر نہ دیں تو کہتے ہیں "اُلٹاواں چوداں طبق"۔ غرض یہ فقیر بن گئے ہیں۔ اخلاق کھوبیٹھے ہیں اور سوائے تختہ الٹنے کے اور کوئی کام نہیں جانتے۔

میں نے گزشتہ خطبات کو جو لمبا کیا تو اسی وجہ سے کہ میں سمجھتا ہوں اگر حکومت سے ہماری صلح ہوجائے تو یہ زیادہ بہتر ہوگا بہ نسبت اس کے کہ ہمیں کوئی اور طریقِ عمل تجویز کرنا پڑے۔ ورنہ سکیم تو میں ابتداء میں ہی بتاسکتا تھا۔ پھر بعض ایسے نقصانات کے خدشہ نے بھی مجھے اب تک سکیم کے بیان کرنے سے روکا ہوا ہے جو ممکن ہے مسلمانوں اور سلسلہ کیلئے کسی پہلو سے مُضِر ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ گو ہماری جماعت تھوڑی ہے مگر خداتعالیٰ نے ہماری جماعت کو علم اور فہم عطا کیا ہوا ہے۔ ہم اگر ایک دو قدم اس طرف چلیں گے تو دوسرے مسلمان چند دن مخالفانہ شور مچاکر ہمارے ساتھ شامل ہوجائیں گے اور پھر اگر ہم ایک قدم چلیں گے تو وہ دس قدم چلیں گے اور بالکل تحریک کشمیر کی سی حالت ہوجائے گی۔ کشمیر میں نہایت عمدگی سے کام ہورہا تھا احرار نے جونہی دیکھا کہ ہمیں کامیابی ہورہی ہے فوراً درمیان میں آکُودے اور اعلان کردیا کہ کشمیر میں جتھے لے کر چلو۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں انہوں نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا اور یقیناً اگر میری طرف سے سارے ہندوستان میں تنظیم نہ ہوئی ہوتی تو وہ کبھی اتنے آدمی اکٹھے نہ کرسکتے۔ اسی احرار کانفرنس کے موقع پر دیکھ لو انہوں نے اعلان کیا کہ ساٹھ ہزار بلکہ ایک لاکھ فرزندانِ توحید جمع ہوں گے۔ مگر ان کے جس قدر آدمی آئے' ان کے متعلق ریل والوں کا اندازہ ہے کہ اڑھائی تین ہزار تھے باقی ستاون ہزار آدمی کہاں گیا حالانکہ اتنی دیر سے شور مچا رکھا تھا اور کوشش بھی بہت کی گئی تھی۔ لیکن تحریک کشمیر کے موقع پر چونکہ میری وجہ سے تمام ہندوستان میں جوش پیدا ہوچکا تھا' اس لئے ستائیس ہزار کے قریب آدمی جیل خانوں میں چلے گئے اور جتھے بھی دور دور سے آئے۔ اس سے پہلے نہرورپورٹ کے موقع پر بھی گو یہ درمیان میں آئے مگر انہیں ناکامی ہوئی۔ پس گزشتہ واقعات

بتاتے ہیں کہ ہماری تحریک سے یہ خود فائدہ اٹھاتے ہیں- ان حالات میں بالکل ممکن ہے کہ ہماری آئینی تحریک کو یہ دخل دے کر غیر آئینی بنادیں- کشمیر کی تحریک کو ہی دیکھ لو یہ سب آئین کے اندر تھی، کشمیر گورنمنٹ نے سنسر بٹھا بٹھا کر ہمارے خطوط پکڑے، جو اَب تک اس کے پاس محفوظ ہیں مگر وہ کسی خط کو شائع کردے ہمیں کوئی خطرہ نہیں کیونکہ ہم ہمیشہ خداتعالیٰ کے فضل سے قانونی اور آئینی رنگ میں کام کرنے والے ہیں- مگر چونکہ ایسے موقعوں پر لوگوں میں جوش بھی پیدا کرنا پڑتا ہے اس لئے اس قسم کے لوگ فائدہ اٹھاکر کام کو خراب کردیتے ہیں- پس چونکہ اول مَیں ڈرتا ہوں کہ مبادا ایسے کارکن مجھے میسر نہ ہوں جو پورے طور پر میری بات کو سمجھنے والے ہوں اور وہ میرے منشاء کے خلاف کام کرنے لگیں- دوسرے مجھے یہ بھی خوف ہے کہ کہیں عام مسلمان اس سے ناجائز فائدہ اٹھاکر ہماری آئینی تحریک کو خراب نہ کردیں اس وجہ سے میں نے بات کو اس خیال سے لمبا کیا ہے کہ اگر حکومت سے محبت سے سمجھوتہ ہوجائے تو یہ ہمارے لئے زیادہ اچھا رہے گا بجائے اس کے کہ اختلاف کرکے ہمیں بات کو پھیلانا پڑے- گو بعض تجاویز ایسی بھی ہیں جن کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ ممکن ہے ان کے بروئے کار لانے میں زیادہ خطرہ نہ ہو اور نہ بالعموم دوسرے لوگ اس سے فائدہ اٹھاسکیں مگر سیاسیات میں کوئی شخص کہہ نہیں سکتا کہ آئندہ رَو کس طرف چلی جائے گی- پس میں نے اب تک یہ طریق رکھا ہے کہ حکومت پنجاب کے پاس اپیل کی جائے اور اگر وہاں شنوائی نہ ہو تو آگے قدم بڑھایا جائے مگر میں یقین رکھتا ہوں کہ اس طریق پر چلنے سے اللہ تعالیٰ ہمیں کامیابی عطا فرمائے گا- کشمیر کے سلسلہ میں اگر اسی طریق سے ہمیں کامیابی ہوگئی تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم یہاں کامیاب نہ ہوں-

گورنمنٹ کیلئے ایسا کرنا کوئی مشکل امر بھی نہیں- دُنیا میں ہمیشہ دو وجہوں سے حکومتیں تلافیٔ مافات کرنے سے رُکتی ہیں- یا تو اس لئے کہ تلافی کرنا اس کیلئے ناممکن ہوتا ہے- یا اس لئے کہ تلافی کرنے میں وہ اپنی ہتک سمجھتی ہیں لیکن اس موقع پر نہ ناممکن ہونے کا سوال ہے اور نہ ہتک کا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر حکومت اپنی بات پر قائم رہتی ہے تو اس میں ہماری ہتک ہے اور اگر وہ اس کا ازالہ کردے تو اس میں اس کی ہتک نہیں بلکہ عزت ہے- گورنمنٹ نے ہماری کسی جائداد کو توڑا نہیں جس کا واپس کرنا اس کیلئے مشکل ہورہا ہے- وہ کیوں دلیری سے نہیں کہہ دیتی کہ اسے واقعات غلط رنگ میں پہنچائے گئے ہیں اور اس بناء پر اُس نے جو

کچھ کیا اُس پر اسے بہت افسوس ہے۔ اگر گورنمنٹ ایسا کہہ دے تو یہ اس کی عزت کا موجب ہو گا کیونکہ سچ کا اقرار کرنا ذلت نہیں بلکہ عزت ہوتا ہے اور دنیا میں ہمیشہ وہی معزز سمجھا جاتا ہے جو حق پر قائم رہتا ہے۔ لیکن اگر ہم اپنی بات چھوڑ دیں تو اس میں ہماری ذلت ہے کیونکہ ہماری بے غیرتی اور بزدلی کا ثبوت ملتا ہے کہ ناحق اور بلاوجہ تذلیل کو برداشت کرلیا۔ پس قربانی گورنمنٹ کی طرف سے ہونی چاہیئے نہ کہ ہماری طرف سے۔ دُنیا میں بھی جب دو قربانیوں کا مقابلہ ہو اور ایک کی قربانی اسے ذلیل کرنے والی اور دوسرے کی قربانی اسے معزز بنانے والی ہو تو اسے ہی قربانی کرنی پڑتی ہے جس کی قربانی اسے معزز بنانے والی ہو۔ پس گورنمنٹ کیلئے اس میں کوئی مشکل نہیں' صرف ہمت کی بات ہے۔ غرض چونکہ ہم اگر بات چھوڑ دیں تو اس میں ہماری تذلیل ہوتی ہے' نہ صرف اپنی نگاہوں میں بلکہ دشمنوں کی نگاہوں میں بھی اور پھر اخلاق بھی بگڑتے ہیں کیونکہ کوئی قوم جو بغیر کسی جرم کے ذلت برداشت کرلیتی ہے کبھی سر نہیں اٹھاسکتی اور اس قابل ہوتی ہے کہ مٹی میں اسے دفن کردیا جائے۔ لیکن اگر حکومت قدم اٹھائے تو یہ اس کی عزت کا موجب ہے اس لئے گورنمنٹ کا ہی فرض ہے کہ وہ اپنی غلطی کا اقرار کرتے ہوئے صلح کیلئے ابتداء کرے۔ اسی سلسلہ میں مَیں جماعت کے لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جو عاقبت بینی سے خالی ہو۔ مثلاً قادیان میں ہی حال میں ایک جلسہ ہوا' اس کے ریزولیوشنوں میں بلاوجہ ایسے افسروں کے نام لے لئے گئے جن کے نام لینے نہیں چاہیئے تھے۔ جماعت کا صرف اتنا کام ہے کہ جو مرکز کی طرف سے نام ظاہر کئے جائیں' وہ لے اور جن کا نام مرکز سے ظاہر نہ کیا جائے' اسے نہ لے۔

اب میں اعلان کردہ سکیم کے متعلق چند باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات جو میں آج بیان کرنا چاہتا ہوں' وہ اس سکیم کی اہمیت کے متعلق ہے۔ یہ بات میں کئی دفعہ بیان کرچکا ہوں کہ احرار کا فتنہ کوئی بڑا فتنہ نہیں' ان کے جلسہ کے بعد بھی میں یہ نہیں کہتا کہ ان کا فتنہ کوئی غیر معمولی فتنہ ہے مگر جب میں کہتا ہوں کہ یہ فتنہ کوئی بڑا فتنہ نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ اپنی ذات میں کوئی بڑا فتنہ نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ اس سے بڑے بڑے فتنے جماعت کے سامنے آنے والے ہیں۔ ممکن ہے بعض لوگوں کے دلوں میں شبہ پیدا ہو کہ ایک طرف تو کہا جاتا ہے کہ یہ فتنہ کوئی بڑا فتنہ نہیں اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ اس فتنہ کے استیصال کیلئے ہمیں ہر قسم کی قربانی کیلئے تیار رہنا چاہیئے۔ اگر یہ بڑا فتنہ نہیں تو اس کیلئے اتنی

بڑی قربانیوں کیلئے تیار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ جب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ فتنہ کوئی بڑا فتنہ نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ مت سمجھو کہ یہ آخری فتنہ ہے بلکہ سمجھو کہ یہ بڑی لڑائیوں کا پیش خیمہ ہے اور اس سے بہت بڑے بڑے فتنے ہیں جو جماعت کے سامنے آنے والے ہیں کیونکہ ہم نے احمدیت کسی ایک شہر یا ملک میں نہیں پھیلانی بلکہ ساری دنیا کو احمدیت میں شامل کرنا ہے۔ پس جبکہ ہمارا مقصد ساری دنیا کا مقابلہ کرنا ہے تو ہم کس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ اگر لاہور کے چوہدری افضل حق صاحب' مولوی مظہر علی صاحب اور عطاء اللہ صاحب بخاری اور مولوی ظفر علی صاحب اور ان کے دوستوں کو ہم شکست دے لیں تو ساری دنیا ہمارے لئے فتح ہوجائے گی۔ اگر ہم ایسا خیال کریں تو یہ ویسی ہی بات ہوگی جس طرح کوئی شخص چماروں کی ایک جھونپڑی گرا آئے اور سمجھے کہ اس سے ملک کا بادشاہ ڈر کر بھاگ جائے گا۔ ان بیچاروں کی ہستی ہی کیا ہے' ان کی تو جو کچھ حیثیت قائم ہوئی' وہ ہماری مخالفت کی وجہ سے ہوئی ہے ورنہ ان کی قوم کے اپنے لوگ بھی پرائیویٹ طور پر انہیں بہت بُرا سمجھتے ہیں۔ پس جب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ کوئی بڑا فتنہ نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہمیں اس فتنہ کامقابلہ نہیں کرنا چاہیئے یا ہمیں اس کے استیصال کا فکر نہیں کرنا چاہیئے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس سے بھی بڑے فتنے جماعت کے سامنے آنے والے ہیں۔ اور ہماری جماعت کا جہاں یہ فرض ہے کہ وہ سمجھے کہ یہ کوئی بڑا فتنہ نہیں' اس سے بڑے فتنوں کا اس نے مقابلہ کرنا ہے وہاں اس کا یہ بھی فرض ہے کہ اس فتنہ کو بھی مٹائے کیونکہ اگر ہمیں اس چھوٹے فتنہ میں کامیابی نہ ہوئی تو بڑے فتنوں کے مقابلہ میں ہمیں کس طرح کامیابی حاصل ہوگی۔ پس اس نقطہ نگاہ کے ماتحت ہمیں ہوشیار ہوجانا چاہیئے کہ اگر ہم اس فتنہ کے مقابلہ میں ہار گئے جو کوئی بڑا فتنہ نہیں تو پھر اس سے بڑے فتنوں کے مقابلہ میں ہمارا کیا بنے گا۔ مجھ سے بہت لوگوں نے وعدے کئے ہیں کہ وہ اپنی جانیں اور اپنے اموال سلسلہ کیلئے فدا کرنے کو تیار ہیں۔ اس قربانی کا وعدہ کرنے والی بہت سی جماعتیں ہیں اور بہت سے جماعتوں کے افراد ہیں' پھر مردوں کے علاوہ عورتوں نے بھی اپنے آپ کو اس قربانی کیلئے پیش کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں اگر سب کو ملا لیا جائے تو ہزاروں کی تعداد ہوجاتی ہے۔ اور میں یقیناً دل میں خوشی محسوس کرتا ہوں کہ ہماری جماعت میں اللہ تعالیٰ نے قربانی کی ایسی روح پھونک دی ہے کہ وہ دین کیلئے ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کیلئے تیار ہے اور ہر اس آواز

پر لبیک کہنے کو آمادہ- جو خدا اور اس کے رسول یا اس کے نائبوں کی طرف سے بلند ہو-

پس یہ نہایت خوشی کی بات ہے- مگر چونکہ یہ وعدے پیش از وقت ہیں اور چونکہ وہ سکیم میں نے ابھی بیان نہیں کی جس کے بیان کرنے کا ارادہ ہے اس لئے میں پورے طور پر خوش نہیں کیونکہ ممکن ہے لوگوں نے قربانی کا صحیح اندازہ نہ کیا ہو اور جب قربانی کا حقیقی مطالبہ ان کے سامنے رکھا جائے تو ان میں سے بعض عُذرات پیش کرنے لگ جائیں- میرا اپنا اندازہ یہ ہے کہ لوگ بڑی لیکن وقتی قربانیوں کیلئے تو فوراً تیار ہوجاتے ہیں لیکن اگر ان سے مسلسل چھوٹی قربانیوں کا مطالبہ کیا جائے- مثلاً ان سے دس دس منٹ روز کی مسلسل ایک لمبے عرصہ تک قربانی طلب کی جائے تو وہ چند دنوں کے بعد ہی رہ جائیں گے- اگر حکم دیا جائے کہ جاؤ اور لڑ کر مرجاؤ تو میں سمجھتا ہوں سَو میں سے ایسا اخلاص رکھنے والے جیسا کہ ہماری جماعت کے افراد میں ہے' نوّے لڑ کر مرجانے کیلئے تیار ہوجائیں گے لیکن اگر ایک سو سے کہا جائے کہ پیدل چلتے ہوئے بنگال پہنچ جاؤ تو سو میں سے پچاس معذرتیں کرنی شروع کردیں گے- کوئی کہے گا میری بیوی بیمار ہے' کوئی کہے گا میرے بچے بیمار ہیں' کوئی کہے گا میں چل نہیں سکتا- یہ سَو میں سے پچاس کااندازہ میں نے اپنی جماعت کے متعلق لگایا ہے ورنہ دوسرے مسلمانوں میں سے تو سَو میں سے شاید ایک قائم رہے اور ننانوے اپنے عہد سے منحرف ہوجائیں لیکن جان دینے کی قربانی کا اگر سوال ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ ایسی حالت میں بھی جبکہ مسلمانوں کا نظام ٹوٹ چکا اور ان کی اسلامی محبت مرچکی ہے' ان میں سے سَو میں سے ایک دو ضرور نکل کھڑے ہوں گے لیکن اگر تھوڑی مگر مستقل قربانی کا مطالبہ کیا جائے تو لاکھوں مسلمانوں میں سے ایک بھی نہیں نکلے گا- اور میں جب کہتا ہوں کہ لاکھوں مسلمانوں میں سے ایک بھی نہیں نکلے گا' تو میں مبالغہ نہیں کرتا بلکہ مسلمانوں کے متعلق اپنا تجربہ بیان کرتا ہوں- مسلمانوں کے سامنے کئی سیاسی کام آئے مگر دوچار دن جوش دکھا کر وہ رہ گئے- پس عام مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی جماعت کے متعلق مستقل قربانی کے سلسلہ میں جب میں پچاس فیصدی افراد کا اندازہ لگاتا ہوں تو درحقیقت میں اپنی جماعت کی بہت کچھ تعریف کرتا ہوں- لیکن ہماری تسلی تو پچاس پر نہیں ہوتی بلکہ سَو پر ہوا کرتی ہے اور جب تک ہم سو فیصدی مکمل نہ ہوجائیں اس وقت تک امن نصیب نہیں ہوسکتا-

میں سمجھتا ہوں اگر میں قربانی کیلئے اپنا نام پیش کرنے والوں میں سے کسی کو بلاکر کہوں

کہ تم نے قربانی کا وعدہ کیا ہے روزانہ رات کو نو بجے سے صبح ساڑھے پانچ بجے تک کھڑے رہا کرو تو بالکل ممکن ہے وہ اس قربانی کیلئے تیار نہ ہو لیکن اگر میں یہ کہوں کہ جاؤ اور کود کر مرجاؤ تو ایک منٹ بلکہ ایک لحظہ کیلئے بھی وہ اس سے انکار نہیں کرے گا- یا مثلاً میں کہوں کہ صبح چھ بجے میرے دفتر میں آؤ اور خاموش بیٹھے رہو اور شام کو اپنے گھر واپس چلے جایا کرو تو آٹھویں دن ہی مجھے رقعے آنے شروع ہوجائیں کہ میں بیکار بیٹھا ہوں مجھے کام نہیں' کوئی کام بتائیے- حالانکہ حقیقی قربانی وہی ہوتی ہے جو خواہ قلیل ہو مگر انسان استقلال سے اسے سرانجام دے اور بغیر وجہ پوچھے اسے کرتا چلا جائے- اگر قربانی کے وقت اس کی غرض اور مقصد پوچھنے کی بھی ضرورت محسوس ہو تو پھر بیعت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی- ہر عقلمند آدمی اپنے مفیدِ مطلب کام کیا ہی کرتا ہے اور ایسا نادان تو کوئی ہوتا ہے جو اپنے لئے مفید کام بھی کرنے کو تیار نہ ہو- مثل مشہور ہے کہ کوئی کشمیری جیٹھ' ہاڑ کے دنوں میں دھوپ میں بیٹھا تھا' ایک شخص پاس سے گزرا تو وہ اسے دیکھ کر کہنے لگا میاں ذرا سائے میں آجاؤ' دھوپ میں کیوں جل رہے ہو- وہ کشمیری کہنے لگا میں سائے میں تو آجاتا ہوں مگر مجھے کیا دو گے- اس نے کہا اگر تمہیں اپنے نفس کیلئے سائے کی ضرورت نہیں تو بیشک دھوپ میں مرو' مجھے تمہیں انعام دینے کی کیا ضرورت ہے- اس قسم کے نادان تو شاذونادر ہوتے ہیں ورنہ کون ایسا انسان ہے جسے کہا جائے میاں چلو فلاں جگہ روپے دبے پڑے ہیں اور وہ نہ جائے یا کوئی بات اسے مفید نظر آئے اور وہ نہ کرے- پس جو باتیں عام طور پر عقل میں آسکتی ہیں ان کیلئے کسی بیعت کی ضرورت نہیں' بیعت اس لئے ہوتی ہے کہ جب کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تب بھی اس پر عمل کیا جائے' ہاں یہ ضروری شرط ہے کہ وہ نصِّ قرآن کے خلاف نہ ہو- اس کے علاوہ جو بات بھی خلیفۂ وقت کہے بیعت کرنے والے کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ خواہ اس کی غرض سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس پر عمل کرے اور خواہ سو سال تک اسے کسی بات کی سمجھ نہیں آتی اس کا حق نہیں کہ وہ انحراف کرے بلکہ اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ امام کی ہدایت کے ماتحت کام کرے- پس پہلا امر ہر انسان کے سامنے یہ ہونا چاہیئے کہ ہم نے فلاں کی بیعت کرنی ہے یا نہیں- اگر بیعت کرلی گئی ہے تو پھر کوئی عُذر قبول نہیں کیا جاسکتا- ہاں انسان مشورہ دے سکتا ہے مگر مشورہ دینا اور چیز ہے' اعتراض کرنا اور چیز' اور عمل میں کوتاہی کرنا اور چیز ہے- پس میں اس سکیم کے پیش کرنے سے پہلے یہ بات واضح کردینا چاہتا ہوں کہ میری سکیم میں ایسی ہی

قربانیوں کا مطالبہ ہے جو گو چھوٹی چھوٹی ہیں مگر لمبی اور کافی عرصہ لینے والی ہیں۔ چونکہ ممکن ہے اس سکیم کے سننے کے بعد بعض لوگ کہہ دیں کہ ہمارے لئے کام کرنا مشکل ہے اس لئے میں بتادینا چاہتا ہوں کہ اس سکیم کے بعد جو لوگ اپنے نام پیش کریں گے' وہی حقیقی طور پر قربانی کرنے والے سمجھے جائیں گے۔

سکیم کی اہمیت ظاہر کرنے کیلئے میں دوسری بات یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اس وقت ہمارے خلاف جو فتنہ ہے یہ صرف مذہبی نہیں' نہ صرف سیاسی اور نہ صرف اقتصادی ہے بلکہ یہ مذہبی بھی ہے اقتصادی بھی اور سیاسی فتنہ بھی۔ یہ سیاسی مخالفت ہے اس لئے کہ ہم نے کانگرس کی پچھلے دنوں شدید مخالفت کی۔یہاں تک کہ کانگرس والوں نے خود تسلیم کیا کہ احمدیہ جماعت کی مخالفت مؤثر ثابت ہوئی ہے۔ ہمارے آدمی چونکہ خداتعالیٰ کے فضل سے تمام ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ کام کرنا جانتے ہیں پھر ان کے اندر ایک حد تک استقلال بھی پایا جاتا ہے اس لئے کانگرس کے لاکھ والنٹیئرز جتنا کام کرتے ہیں' اتنا کام ہمارا ایک ہزار آدمی کرلیتا ہے اسی طرح ہمارا تھوڑا روپیہ ان کے بہت سے روپیہ کے مقابلہ میں کام دے جاتا ہے۔ یہ کانگرس کی ناکامی اتنی واضح ہے کہ اس کے لیڈر محسوس کرتے ہیں کہ اس کی ناکامی میں بہت حد تک دخل احمدیہ جماعت کا بھی ہے۔ پھر یہ اس لئے بھی سیاسی فتنہ ہے کہ عام طور پر اسلامی مسائل کی وجہ سے مسلمانوں میں جوش پیدا کرکے ان کی سیاست کو تباہ کیا جاتا تھا جیسے خلافت کا مسئلہ پیدا کیا گیا' ہجرت کا سوال اُٹھایا گیا' یا میکلیگن کالج کا جھگڑا پیدا کیا گیا' ان پر ایک مذہبی رنگ چڑھایا گیا تھا جسے اُتار کر ہم نے رکھ دیا اور بتادیا کہ یہ مذہبی نہیں بلکہ سیاسی تحریکیں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں ہر تحریک میں آگے آنا پڑا اور ہر تحریک کے وقت ہم نے اصل حقیقت کو بے نقاب کیا۔ غرض مسلمانوں کی ہجرت کا پول ہم نے کھولا' خلافت کے متعلق غلط جوش کے دنوں میں ہم نے ان کی صحیح راہنمائی کی' میکلیگن کالج کے جھگڑے کے وقت ہم نے صحیح طریقِ عمل بتایا اور لوگوں پر ظاہر کیا کہ یہ مذہب کے بہانے سے سیاسیات میں طاقت حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی طرز کے مسلمانوں نے سمجھا کہ جب تک یہ جماعت موجود ہے اس وقت تک ہم سیاسی طور پر مسلمانوں کو بیوقوف نہیں بناسکتے پس وہ بھی ہمارے مخالف ہوگئے۔ تیسری مثال اس کی وہ شور ہے جو پچھلے دنوں کمیونل ایوارڈ یعنی فرقہ وارانہ تصفیۂ حقوق کے نام سے اٹھا۔ سکھوں اور

ہندوؤں نے گورنمنٹ کو نوٹس دیا تھا کہ ہم ایک لاکھ والنٹیئرز اس کے خلاف جنگ کرنے کیلئے تیار کریں گے- اس پر ہم نے بھی اپنی جماعت کی تنظیم شروع کردی اور گورنمنٹ کے سامنے اپنی خدمات رکھ دیں- نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو بھی قوموں نے محسوس کیا اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم گورنمنٹ کو دھمکی دیتے ہیں تو یہ دھمکی کا اثر بھی قبول ہونے نہیں دیتے آؤ اس جماعت کا ہی متحدہ مقابلہ کریں- پچھلے دنوں ایک اخبار والوں کو دھمکی دی گئی کہ اگر مسلمانوں کے حقوق کی تائید سے وہ نہ رُکے تو اس کے دروازوں پر پکٹنگ کیاجائے گا- ہم نے جب یہ سنا تو اپنے نوجوانوں کی خدمات پیش کردیں اس پر کسی نے پکٹنگ نہ کیا- پس لوگوں نے دیکھا کہ جب وہ دھمکیاں دیتے ہیں تو ہم ان کی دھمکیوں کو باطل ثابت کردیتے ہیں' سیاسی لحاظ سے دباؤ ڈالنا چاہتے ہیں تو اس کا مقابلہ کرتے ہیں' مذہب کے نام پر لوگوں کو بھکانا چاہتے ہیں تو اس میں روک بن جاتے ہیں اور ان کا پول کھول دیتے ہیں' طاقت اور گھمنڈ سے مرعوب کرنا چاہتے ہیں تو یہ اپنی خدمات پیش کردیتے ہیں اس لئے ہندوؤں' سکھوں اور مسلمانوں میں سے ہر شخص ہماری کوششوں پر بُرا مناتا ہے- اور ہماری مخالفت کرنا اپنے مقاصد کیلئے مفید سمجھتا ہے-

سیاسی مخالفت کے اسباب میں سے ایک ہمارا اس وقت شمشیر کے جہاد کی مخالفت کرنا بھی ہے- مولوی اس مسئلہ کی مدد سے عوام کو خوب بھڑکا سکتے تھے ہم نے اس حربہ کو بھی چھین لیا ہے- پس ہماری جماعت کی مخالفت نہایت وسیع پیمانہ پر ہے اور سیاستدان یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک احمدیوں کو کمزور نہ کردیا جائے یا احمدیوں اور حکومت میں لڑائی نہ کرادی جائے' اس وقت تک ان کا قدم مضبوطی سے جم نہیں سکتا- یہ صرف خیالی بات نہیں بلکہ خود مجھ سے آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے ایک ذمہ دار آدمی نے کہا کہ پنڈت جواہر لال نہرو جب یورپ کی سیاحت سے واپس تشریف لائے تو سٹیشن پر ہی دورانِ گفتگو میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ مجھے دورانِ سیاحت میں محسوس کرایا گیا ہے کہ اگر ہم ہندوستان میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے احمدیہ جماعت کو کچل دینا چاہیئے- اس غرض کیلئے انہوں نے کئی کوششیں بھی کیں مگر خدا کے فضل سے کامیاب نہ ہوئے- اب کانگرس والوں کی ایک طرف تو یہ کوشش ہے کہ ہمیں مسلمانوں سے لڑا کر کمزور کردیا جائے اور دوسری طرف یہ کوشش ہے کہ ہماری انگریزوں سے لڑائی ہوجائے- ممکن ہے انگریز افسروں میں سے کوئی اس غلط فہمی میں

مبتلاء ہوجائے مگر ہماری اطاعت چونکہ اصولِ مذہبی کی بناء پر ہے اس لئے ہم حکومت کی اطاعت سے کبھی انحراف نہیں کرسکتے گو اگر حکومت نے ہماری ہتک کا ازالہ نہ کیا تو پھر ہمارا تعلق اس سے محض قانونی اطاعت والا رہ جائے گا' محبت والا تعلق باقی نہ رہے گا اور ہم ہر موقع پر اس سے سودا کیا کریں گے۔

پس گورنمنٹ ہمیں تاجر بنادے گی مگر ہم اطاعت پھر بھی کرتے رہیں گے۔ سیاسی مخالفت کی وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ہم "پین اسلام ازم" کے مخالف ہیں حالانکہ جب میں یورپ گیا تو راستہ میں عربی ممالک میں اتحادِ اُمم اسلامیہ کی سکیم مَیں نے بنائی جسے بعد میں شیخ یعقوب علی صاحب نے دوسرے سفر کے موقع پر اور پھیلایا اور پھر ان کے لڑکے شیخ محمود احمد صاحب نے بلادِ اسلامیہ کے سفر میں لوگوں میں اس کی اشاعت کی جس کے نتیجہ میں مؤتمر اسلامی کا اجلاس ہوا۔ پس عالم اسلامی کے اتحاد کا میں بڑے زور سے قائل ہوں مگر میں اس اتحاد کا قائل نہیں جو لڑائیوں اور فتنہ وفساد کیلئے ہو' ہم اخلاق کو درست کرکے اتحاد رکھنے کے قائل ہیں۔ اس امر کے قائل نہیں کہ انگریزوں یا کسی دوسری قوم سے خواہ مخواہ لڑا جائے۔ غرض ان وجوہ سے سیاسی لوگ ہمارے مخالف ہیں اور چونکہ کچھ لوگ حکومت میں بھی کانگرسی خیال کے داخل ہیں وہ بھی ان وجوہ سے دل میں ہمارے مخالف ہیں۔ اور ایسے لوگ اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں پر ملتے ہیں چنانچہ عدمِ تعاون کی تحریک کے دنوں میں کئی ہندوستانی افسروں نے کانگرس کو مخفی امداد دی اور جو لوگ کانگرس کی مخالفت کرتے تھے انہیں دھمکایا اور ڈرایا کہ تم پالیٹکس میں دخل دیتے ہو۔ چنانچہ مجھے جب بعض واقعات معلوم ہوئے تو اس وقت میں نے لارڈ اِرون (LORD IRWIN) کو لکھا کہ آپ کے بعض افسر اس قسم کے ہیں جو کانگرس کی تحریکات کا مقابلہ کرنے سے بھی اپنے آدمیوں کو روکتے اور اسے پالیٹکس میں دخل قرار دیتے ہیں جس کا صاف یہ مطلب ہے کہ وہ کانگرس کے مؤیّد ہیں۔ اس پر حکومت نے یہ اعلان کیا کہ گورنمنٹ کی تائید میں حصہ لینا منع نہیں' گورنمنٹ کے خلاف حصہ لینا منع ہے۔ مجھے کئی ایسے افسروں کا علم ہے جنہوں نے کانگرس کے خلاف کام کرنے والے افسروں پر خوب ظلم کئے اور انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ یہ کانگرس سے ہمدردی رکھنے والے افسر ہمیشہ کانگرس کو حکومت کی خبریں پہنچاتے رہتے ہیں چنانچہ بائیکاٹ کے زمانہ میں ریلوے کے کئی ایسے افسر جب بھی انگریزی مال آتا تھا' کانگرس والوں کو اطلاع دے دیتے تھے۔ اسی

طرح پولیس میں ایسے افسر تھے جو کانگرسیوں کی گرفتاری کی خبر وارنٹ پہنچنے سے قبل انہیں پہنچادیتے۔ چنانچہ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ جب پولیس کے سپاہی وارنٹ لیکر پہنچتے تو کانگرسی ایسے شخص کو ہار پہناکر پہلے سے پولیس کے منتظر ہوتے تھے۔ اس قسم کے لوگ سیاسی اختلاف کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ اور جماعت احمدیہ میں لڑائی ہوجائے اور وہ حکومت میں ہوکر حکومت کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ ان لوگوں نے وہی چال چلی ہے جو کہتے ہیں ایک باغ والے نے تین شخصوں کے خلاف چلی تھی جو اس کے باغ کا میوہ کھاگئے تھے۔ کہتے ہیں کہ کسی باغ میں سید، مولوی اور زمیندار تینوں اکٹھے چلے گئے اور اس کے میوے توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ باغ کا مالک جب آیا تو اس نے دیکھا کہ تین آدمی ہیں اور وہ اکیلا ہے۔ اس نے سوچا کہ اس طرح مقابلہ تو مشکل ہے۔ پھر کچھ سوچ کر وہ سید اور مولوی کو الگ لے گیا اور سید سے کہنے لگا کہ آپ تو آلِ رسول ہیں یہ سب باغ آپ کے نانا کا مال ہے جہاں سے جی چاہے کھائیں اور مولوی سے کہا کہ آپ بھی رسول کریم ﷺ کے گدی نشین ہیں۔ آپ کے فعل پر بھی اعتراض نہیں کیا جاسکتا مگر اس زمیندار کا کیا حق تھا کہ میرے باغ میں آتا اور میوے توڑ توڑ کر کھاتا۔ چونکہ ان دونوں کی تعریف ہوگئی تھی وہ کہنے لگے بات تو ٹھیک ہے۔ مالک کہنے لگا تو پھر انصاف قائم کرنے میں آپ میری مدد کریں چنانچہ تینوں نے مل کر زمیندار کو پکڑا اور اسے خوب مارا۔ پھر اسے ایک درخت سے باندھ دیا۔ اس کے بعد مالک سید کو الگ لے جاکر کہنے لگا یہ مولوی بھی کچھ کم مجرم نہیں کیونکہ یہ مسئلے کرنے والا نوکر ہے۔ آلِ رسول کا ہی حق ہے کہ میوے کھائے، خادموں کا بھلا کیا اختیار ہے کہ وہ آلِ رسول کے ہم رتبہ بنیں۔ سید کیلئے اس سے زیادہ فخر کی بات اور کیا ہوسکتی تھی کہ اسے مولوی پر ترجیح دے دی گئی۔ اس نے کہا بات تو تم نے ٹھیک کہی۔ مالک کہنے لگا تو پھر انصاف قائم کرنے میں میری مدد کرو۔ چنانچہ مولوی کو بھی دونوں نے مل کر خوب مارا اور ایک درخت سے باندھ دیا گیا۔ اب صرف اکیلا سید رہ گیا تھا۔ مالک نے جَھٹ اس کی گردن پکڑ لی اور کہا خبیث دوسروں کا مال کھانے والا بھی کبھی آل رسول ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اسے بھی خوب مارا اور درخت سے باندھ دیا۔ ہم نے کسی دوسرے کا مال تو نہیں کھایا بلکہ ہر ایک کو اس کا حق دلاتے ہیں لیکن بہرحال لوگ ہم سے یہی بدگمانی رکھتے ہیں کہ گویا ہم انگریزوں سے مل کر ان کے حقوق کا نقصان کر رہے ہیں اور اس غصہ میں وہ ہمارے خلاف چالیں چلتے ہیں۔ اور اب انہوں نے یہ تدبیر سوچی ہے کہ گورنمنٹ

میں اور ہم میں اختلاف ڈلوا کر دونوں کو الگ الگ نقصان پہنچائیں- گورنمنٹ کی بنیاد چونکہ مذہب پر نہیں اس لئے ممکن ہے وہ ان کے قابو میں آجائے مگر ہم انشاء اللہ ان کے قابو میں نہیں آسکتے-

علاوہ سیاسی مخالفت کے موجودہ فتنہ کے تحت میں مذہبی مخالفت بھی کام کررہی ہے- علماء میدانِ دلائل میں شکست کھاچکے ہیں' وفات مسیح کے مسئلہ کو پیش کیا جائے تو جھٹ کہہ دیتے ہیں' اسلام کا اس سے کیا تعلق کہ مسیح ناصری زندہ ہیں یا مرچکے حالانکہ اگر اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں تو یہ لوگ اسی وجہ سے ہم پر کفر کے فتوے کیوں لگاتے رہے ہیں- اسی طرح نبوت کا مسئلہ ہے سوائے شور مچانے کے اور کوئی بات نہیں کرسکتے کیونکہ ان کے پہلے بزرگ خود لکھ چکے ہیں کہ امت محمدیہ میں غیر تشریعی نبوت کا سلسلہ جاری ہے اب وہ رد کس طرح کریں گالیاں دیں تو اپنے بزرگوں پر بھی پڑتی ہیں- غرض میدانِ دلائل میں علماء ہمارے سامنے مات کھاچکے ہیں اور اب تو میں نے کثرت سے تعلیم یافتہ لوگوں کے مونہوں سے سنا ہے کہ ہم یہ تو مانتے ہیں کہ نبوت کا دروازہ کھلا ہے صرف یہ بتائیے کہ حضرت مرزا صاحب کس طرح نبی بن گئے- سمجھدار اور دیانت دار نومسلم تو اس بات کو کبھی برداشت ہی نہیں کرسکتے کہ نبوت کا دروازہ بند مانا جائے- میں جب ولایت گیا تو ایک نہایت ہی مخلص احمدی نومسلم مسٹر شیلے جو بہت بوڑھے تھے اور اب فوت ہوچکے ہیں' مجھ سے ملنے کیلئے آئے وہ مزدوری کیا کرتے تھے اور ان کی عادت تھی کہ جب بھی مسجد میں آتے' چونکہ چائے وغیرہ پلائی جاتی تھی اس لئے چھ آنے یا نو آنے کے قریب ہمیشہ چندہ دے جاتے تا یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ مفت میں چائے پی رہے ہیں- نہایت ہی مخلص اور اسلام سے محبت رکھنے والے تھے- مجھ سے جب ملنے کیلئے آئے تو باتیں کرتے وقت محبت کے جذبہ سے سرشار ہوکر مجھ سے کہنے لگے- آپ مجھے یہ بتائیں کیا مرزا صاحب نبی تھے- میں نے کہا ہاں نبی تھے- اس پر ان کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور کہنے لگے مجھے بڑی خوشی ہوئی- پھر کہنے لگے آپ مجھے بتائیں کیا آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد مسلمانوں کیلئے نبوت کا دروازہ کھلا ہے' گو یہ علیحدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب کسی خاص شخص پر پڑے اور دوسروں پر نہ پڑے- میں نے کہا یقیناً خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ کیلئے باب نبوت کو کھلا رکھا ہے اس پر ان کا چہرہ پھر دمک اٹھا اور کہنے لگے مجھے بڑی خوشی ہوئی- پھر باوجود اس کے کہ انہیں معلوم تھا کہ میں

جماعت احمدیہ کا خلیفہ اور حضرت مسیح موعود کا بیٹا ہوں' مجھے کہنے لگے آپ نے حضرت مرزا صاحب کو دیکھا ہے۔ میں نے کہا ہاں دیکھا ہے۔ اس پر پھر ان کا چہرہ روشن ہوگیا اور کہنے لگے مجھے بڑی خوشی ہوئی' آپ اپنا ہاتھ پکڑائیے۔ پھر انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور یہ کہتے ہوئے کیا کہ آج میں نے ایک نبی کے دیکھنے والے سے مصافحہ کیا ہے۔ غرض سمجھدار اور بے غرض یورپین نَومسلم یہ عقیدہ کبھی برداشت ہی نہیں کرسکتے کہ کوئی ایسا نبی آئے جو تمام ترقیات کے دروازے بنی نوع انسان کیلئے بند کردے۔ ان میں سے ہر معقول پسند انسان کہے گا کہ محمد ﷺ کو جو چاہو بڑے سے بڑا درجہ دے لو مگر وہ رستہ نہ کھولو جس کے نتیجہ میں دنیا کی ترقیات رُک جائیں۔ علماء کے سامنے جب یہ باتیں پیش کی جاتی ہیں تو وہ ان کا کوئی جواب نہیں دے سکتے پھر لوگ انہیں کہتے رہتے ہیں تم کرتے کیا ہو۔ احمدیوں میں سے تو کوئی افریقہ جاکر لوگوں کو مسلمان بنارہا ہے اور کوئی امریکہ' کوئی انگلستان جارہا ہے اور کوئی ماریشس اور دمشق وغیرہ مگر تم بجز اس کے کہ گھر بیٹھے روٹیاں توڑتے رہتے ہو اور لوگوں پر کفر کے فتوے لگاتے ہو اور کیا کرتے ہو۔ یہ باتیں جب ان کے سامنے پیش کی جاتی ہیں تو وہ ان کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ پس ہمارے وجود سے مولویوں کی زندگی تلخ ہوگئی ہے اور وہ دل میں کہتے ہیں کہ ہم تو احمدیوں کو چھوڑ دیں یہ ہمیں نہیں چھوڑتے ہم کیا کریں۔ جیسے کسی نے کہا تھا میں تو کمبل کو چھوڑتا ہوں پر کمبل مجھے نہیں چھوڑتا۔

غرض علماء پر ایک عجیب مصیبت نازل ہے۔ ہم ان سے لڑیں یا نہ لڑیں لوگ جب سنتے ہیں کہ فلاں ملک میں احمدیوں کے ذریعہ اتنے مسلمان ہوگئے' افریقہ میں اتنے اور امریکہ میں اتنے لوگ داخلِ اسلام ہوئے تو وہ مولویوں سے پوچھتے ہیں کہ تم سوائے کافر بنانے کے اور کیا کام کرتے ہو۔ مولوی جب یہ باتیں سنتے ہیں تو بجز اس کے انہیں کچھ نہیں سوجھتا کہ وہ کہتے ہیں ہم لٹھ تیار کرلیں کہیں احمدی نظر آیا تو اس کا سر پھوڑ دیں گے پھر نہ یہ کمبخت دنیا میں رہیں گے اور نہ لوگ ہمیں ستایا کریں گے۔ ہر مولوی چونکہ اپنے ساتھ چیلے بھی رکھتا ہے اور ان چیلوں کا آگے حلقہ احباب ہوتا ہے اس طرح یہ مخالفت پھیل جاتی ہے۔ دوسری طرف آریوں نے بھی محسوس کرلیا ہے کہ ہماری جماعت کی وجہ سے ان کی ترقی رک رہی ہے۔ جب ملکانا میں ارتداد شروع ہوا اور تھوڑے ہی عرصہ میں یعنی قریباً دو مہینہ کے اندر اندر انہوں نے بیس ہزار آدمی مسلمانوں میں سے مرتد کرلئے تو اس وقت لاہور میں ڈھنڈورا پیٹا گیا

کہ کیا کوئی مسلمان ملکانوں کی خبرگیری کرنے والا نہیں- پھر اشتہار دیئے گئے جن میں لکھا گیا تھا کہ احمدی لوگ کہا کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے محافظ ہیں بتائیں کہ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ وہ بیدار ہوں اور اسلام کی حفاظت کریں- اس پر میں نے اپنی جماعت میں اعلان کیا تو خداتعالیٰ کے فضل سے تین سو آدمیوں نے اپنی جانیں پیش کردیں اور ایک ایک وقت میں سو سو مبلغ ہمارا ملکانا میں کام کرتا رہا' ایک لاکھ کے قریب ہمارا روپیہ خرچ ہوا اور خداتعالیٰ کے فضل سے نتیجہ یہ نکلا کہ آریوں کو ہر میدان میں شکست دے دی اور یہ جو اُن کا خیال تھا کہ وہ مسلمانوں میں ایک عام رَو ارتداد کی چلا دیں گے غلط ثابت ہوئی- گاندھی جی کو جو اس وقت جیل میں تھے' جب یہ حالت معلوم ہوئی تو انہوں نے اس پر اظہارِ ناراضگی کرنا شروع کیا اور سیاسی لیڈروں نے کہنا شروع کیا کہ آپس میں صلح کرلو اور اپنے اپنے مبلّغ واپس منگوالو- سوامی شردھانند جی اس وقت زندہ تھے انہوں نے پرزور آواز اٹھائی کہ ہمیں گاندھی جی کی بات مان لینی چاہیئے اور آپس میں صلح کرلینی چاہیئے- چنانچہ دہلی میں ایک میٹنگ ہوئی- ہمارے بعض دوستوں نے کہا کہ اس میٹنگ میں ہمیں نہیں بلایا گیا- میں نے کہا آپ لوگ تسلی رکھیں وہ ہمیں بلانے پر مجبور ہوں گے کیونکہ ہمارے بغیر یہ صلح ہو ہی نہیں سکتی- چنانچہ دوسرے ہی دن ڈاکٹر انصاری' مولانا محمد علی صاحب اور حکیم اجمل خانصاحب کی طرف سے میرے نام تار آیا جس میں لکھا تھا کہ آپ اپنے نمائندوں کو یہاں بھیجیئے- میں نے اپنے دوستوں سے کہا دیکھو وہ ہمارے بلانے پر مجبور ہوگئے ہیں میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ وہ ہمارے بغیر صلح کرہی نہیں سکتے- خیر جب میں نے اپنی طرف سے نمائندے بھیجے تو میں نے انہیں کہہ دیا کہ وہاں یہی امر پیش کیا جائے گا کہ گاندھی جی چونکہ سخت اذیت پارہے ہیں اس لئے کام سب بند کردینا چاہیئے اور اپنے اپنے مبلغ واپس منگوالینے چاہئیں' آریہ اپنے گھروں میں چلے جائیں اور مسلمان اپنے گھروں میں' مگر آپ اس کے جواب میں یہ کہیں کہ آپ لوگ بیس ہزار مسلمان آریہ بناچکے ہیں ان بیس ہزار کو آپ کلمہ پڑھا کر مسلمان کردیں تو ہم اپنے گھروں میں آجائیں گے اور آپ اپنے گھروں میں آجائیں' ورنہ جب تک بیس ہزار اشخاص اسلام میں واپس نہیں آتے اس وقت تک ہماری تبلیغ جاری رہے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا- جب ہمارے نمائندے گئے تو انہوں نے یہی امر پیش کیا کہ آپ بیس ہزار مسلمان آریہ کرچکے ہیں جب تک آپ انہیں واپس نہیں کرتے ہم تبلیغ سے کس طرح رُک سکتے ہیں اور اگر صلح کرلیں تو اس کے یہ معنے

ہیں کہ ہم گھاٹے میں رہے- آریہ بھلا اس بات کو کب تسلیم کرسکتے تھے کہ ہم بیس ہزار لوگوں کو کلمہ پڑھا کر اسلام میں واپس کرلیں- وہ نہایت مایوس ہوئے اور سوامی شردہانند جی نے کہا کہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ گاندھی جی ناراض ہوں اور تکلیف اٹھائیں- ہمارے نمائندوں نے کہا بات بالکل صاف ہے اگر اس پر بھی کوئی نقصان پہنچنے کا احتمال ہے تو ہم کیا کرسکتے ہیں- عجیب بات یہ ہوئی کہ ہماری یہ بات بعض مسلمان سیاسی نمائندوں کی سمجھ میں آگئی اور وہ بھی کہنے لگے برابری تو تبھی ہوتی ہے جب بیس ہزار لوگ اسلام میں واپس ہوں- "جمعیۃ العلماء" کا نمائندہ بھی وہاں موجود تھا اس نے بڑے جوش سے سوامی شردہانند جی کو کہا کہ ان احمدیوں کی ہستی ہی کیا ہے انہیں چھوڑیئے اور ہم سے معاہدہ کیجئے میں سات کروڑ مسلمانوں کی طرف سے آپ سے معاہدہ کروں گا کہ وہاں کوئی مسلمان تبلیغ نہیں کرے گا- سوامی جی حقیقت سے خوب واقف تھے وہ کہنے لگے مولانا آپ کے وہاں پچاس مبلغ ہوں تو حرج نہیں لیکن اگر ایک احمدی مبلغ بھی وہاں موجود ہو تو اس کا رہنا خطرناک ہے- یہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے آریہ غصے سے بھرے ہوئے ہیں- ادھر عیسائی الگ مخالف ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے مِشنوں کو جس قدر نقصان پہنچ رہا ہے سب احمدیوں کی وجہ سے ہی ہے- اچھوتوں میں ہم جو تبلیغ کرتے ہیں اس کی وجہ سے بھی انہیں دشمنی ہے- چنانچہ اس وقت تک سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں اچھوت ہماری جماعت میں شامل ہوچکے ہیں اس کا بھی انہیں غصہ ہے- پھر یہ کوششیں نہ صرف اندرون ہند بلکہ بیرون ہند میں بھی ہماری طرف سے جاری ہیں-

گذشتہ دنوں چرچ آف انگلینڈ کی طرف سے ایک رپورٹ شائع ہوئی تھی اس میں سات مختلف مقامات پر افریقہ کے ذکر میں بیان کیا گیا کہ احمدیوں نے عیسائیت کی ترقی کو نقصان پہنچایا ہے- غرض ان حالات کی وجہ سے مسلمان، عیسائی اور آریہ تینوں قومیں متحد ہوکر ہمیں مٹانا چاہتی ہیں-

پھر ہماری جماعت کی موجودہ مخالفت میں اقتصادی تغیرات کا بھی دخل ہے کیونکہ مالدار طبقہ ہمیشہ غرباء کو لوٹتا رہتا ہے اور ہماری جماعت اس تحریک کے مخالف ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ امراء ہماری جماعت کی مخالفت کرتے ہیں- دو تین مہینے ہوئے کہ ایک انگریز پولیٹیکل ایجنٹ نے ہماری جماعت کے ایک افسر کو کہا کہ فلاں ریاست میں آپ لوگوں کی

طرف سے تبلیغ ہو رہی ہے مجھ سے وہاں کے وزیر نے شکایت کی کہ ان کی تبلیغ سے خطرات ہیں ہمیں اس کے روکنے کی اجازت دی جائے۔ تو میں نے لکھا کہ اگر احمدی اچھوتوں میں تبلیغ کریں تو انہیں روک دو' ہاں اگر مسلمانوں میں تبلیغ کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ اچھوتوں میں تبلیغ کرنے سے زمیندار ناراض ہوتے ہیں کہ ہمارے کاموں کو نقصان پہنچتا ہے۔ غرض اچھوت قوموں کی ترقی اور سُدھار جو ہمارے ذریعہ ہو سکتا ہے' وہ نہ آریوں کے ذریعہ ہو سکتا ہے اور نہ عیسائیوں کے ذریعہ' مسلمان ہی وہ قوم ہے جس میں اچھوت جذب ہو کر ایک ہو سکتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ جب کوئی اچھوتوں میں سے نیا نیا نکل کر آتا ہے تو اس سے تعلقات رکھنے پسند نہیں کئے جاتے مگر آہستہ آہستہ خود ہی مسلمانوں میں جذب ہو جاتے ہیں۔ جیسے کوئی کھیت میں جائے اور تازہ پاخانہ پڑا ہوا دیکھے تو دوچار دن شلجم کدو کھانے کو اس کا جی نہیں چاہتا مگر دوچار دن کے بعد خود بخود کھانے لگ جاتا ہے۔ اسی طرح اچھوت دوچار نسلوں میں ہی مسلمانوں میں اس طرح مل جاتے ہیں کہ ان کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ بہرحال اچھوتوں میں تبلیغ کرنے کی وجہ سے مالدار طبقہ کو ہم پر غصہ آتا ہے۔ پھر غرباء کی جب ہم ناجائز مدد نہیں کرتے تو انہیں بھی ہم پر غصہ آتا ہے۔ وہ جب سٹرائکیں کرتے' کارخانوں کو آگ لگاتے اور بائیکاٹ کی تحریکات جاری کرتے ہیں تو ہم ان کی مخالفت کرتے ہیں اور اس طرح مزدور طبقہ سمجھتا ہے کہ ہم ان کے دشمن ہیں حالانکہ ہم غرباء کو ان کے حقوق دلاتے اور امراء کو دست درازیوں اور تعدّیوں سے مجتنب رہنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ امراء غرباء کی تذلیل کریں مگر ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ غرباء امراء کو قتل کریں اور ان پر ناجائز حملے کریں۔ دونوں ہمارے مخالف ہو جاتے ہیں۔ پس اقتصادی اصول پر بھی ہماری مخالفت شروع ہو گئی ہے۔

ان تینوں وجوہات کی بناء پر مذہبی' سیاسی اور اقتصادی رنگ میں ہماری مخالفت کی جاتی ہے۔ ہم ہر ایک کے دوست اور خیر خواہ ہیں مگر چونکہ دوسرے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم اس حد تک ان کے دوست نہیں جس حد تک وہ چاہتے ہیں' اس لئے وہ ہماری دشمنی کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج تمام لوگ ہماری مخالفت کر رہے ہیں۔ مگر سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اب یہ لوگ کیوں زیادہ مخالفت کر رہے ہیں ہماری جماعت تو ابتداء سے انہی اصول کی قائل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری اور ان کی مثال بلی اور چوہے کی سی ہے۔ بلی جب چوہے کو پکڑتی

ہے تو اسے اچھی طرح جھنجوڑتی ہے پھر جب اس کی جان نکلنے کے قریب ہوتی ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتی اور خود ایک طرف بیٹھ جاتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب چوہا سانس لینا شروع کرتا اور اسے کچھ طاقت محسوس ہوتی ہے تو وہ بلی کو دیکھنا شروع کرتا ہے کہ کہیں یہ غافل ہو تو میں بھاگوں۔ بلی بظاہر اس سے غافل ہوتی ہے مگر کنکھیوں سے اسے دیکھتی جاتی ہے۔ جب چوہا موقع پاکر دوڑنے لگتا ہے تو جھٹ بلی چھلانگ لگا کر اس کی گردن مروڑ لیتی ہے۔ یہی حال ہمارا اور ان کا تھا شروع شروع میں گو ہماری تعلیم یہی تھی اور ہم انہی عقائد کو پیش کرتے تھے، مگر بڑے بڑے مالدار یہ کہا کرتے تھے کہ ان کے ساتھ بحث کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے بھلا کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربہ، ہم جب چاہیں گے انہیں مسل دیں گے، مولوی لوگ سمجھتے کہ اُن کے کفر کے فتوے ہماری جماعت کو مٹادیں گے، سیاستدانوں کے سامنے جب ہماری جماعت کا ذکر آتا ہے تو وہ کہتے ہیں یہ چھوٹی سی جماعت ہے، اس نے کیا کرلینا ہے آپس میں اتحاد رکھنا چاہیئے۔ اقتصادی لوگوں کے سامنے ابھی ہماری تعلیمیں آئی ہی نہ تھیں۔ غرض ہماری جماعت کو چوہے کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد انہیں معلوم ہوا کہ وہ جسے چوہا سمجھتے تھے شیر ہے اور جسے ناقابلِ التفات سمجھتے تھے وہ جماعت دنیا کو کھانے لگ گئی ہے۔ وہ بڑے بڑے باوقار لوگ جو اپنی کرسیوں پر اس خیال میں مست بیٹھے تھے کہ ہم جب چاہیں گے احمدیوں کو مسل کر رکھ دیں گے، وہ بھی ہمارے نظام اور جماعت کی ترقی کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ جماعت شیر ہے جو ایک دن دنیا پر غالب آکر رہے گی۔ پس لوگ ہمارے دشمن ہیں مگر ہم کسی کے دشمن نہیں، ہم مسلمانوں کے بھی خیرخواہ ہیں اور ہندوؤں کے بھی بلکہ ہندوؤں کے بزرگوں کو سچا تسلیم کرکے مسلمانوں کی نگاہ میں کافر بنتے ہیں، سکھوں کے بھی خیرخواہ ہیں کیونکہ حضرت باوا نانک ؒ صاحب کو خدا کا ولی اور نہایت نیک انسان سمجھتے ہیں، حکومت کے بھی خیرخواہ ہیں کیونکہ انارکسٹوں کا مقابلہ کرتے اور قانون کی پابندی ضروری سمجھتے ہیں، کانگرس کے بھی خیرخواہ ہیں کیونکہ ہم ملک کی جائز حد تک آزادی کو ضروری قرار دیتے ہیں، امراء کے بھی خیرخواہ ہیں کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ سٹرائکیں ہوں اور لوگ انہیں قتل کریں، غریبوں اور مزدوروں کے بھی خیرخواہ ہیں کیونکہ ہم کوشش کرتے ہیں کہ جو ان پر ظلم ہوتے ہوں ان کا ازالہ کیا جائے اور ان کے حقوق انہیں دلوائے جائیں۔

غرض ہم سب کے خیرخواہ ہیں اور ہمارا قصور اگر ہے تو یہ کہ ہم اتنے خیرخواہ نہیں جتنی

خیر خواہی ناجائز ہوتی ہے اور اسی بناء پر سب لوگ ہمارے دشمن ہوگئے ہیں اور اب ہماری ترقی کو دیکھ کر سب جماعتیں پریشان ہوگئی ہیں اور ہمارے تباہ کرنے کیلئے متفق ہوگئی ہیں۔ یا پھر موجودہ فتنہ کی یہ وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری آزمائش کرنا چاہتا ہے' ہم جو روزانہ اس کے سامنے فخر سے کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہم تجھ پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لائے اور اس کیلئے ہم ہر قسم کی قربانیاں کرنے کیلئے تیار ہیں۔ اس کے مطابق اب خدا تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ ہم کس حد تک قربانیاں کرتے ہیں اور ہمارے دلوں میں کتنا ایمان ہے۔ پس ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس امتحان میں کامیاب ہونے کی کوشش کرے۔ اگر ہماری جماعت اس میں کامیابی کیلئے کوشش نہیں کرے گی تو یقیناً وہ خدا کے سامنے جواب دہ ہوگی اور اگر وہ اس میں کامیاب ہوگئی تو پھر خدا تعالیٰ اس کے سامنے اور امتحان لائے گا جس میں اسے کامیاب ہونا پڑے گا کیونکہ خدا تعالیٰ کی یہ سنّت ہے کہ جب کوئی قوم ایک امتحان میں کامیاب ہوجائے تو دوسرا امتحان اس کے سامنے پیش کردیا جاتا ہے۔ بڑی ڈگریاں حاصل کرنے کیلئے ہمیشہ پہلے چھوٹے امتحان پاس کرنے پڑتے ہیں۔ یہ پرائمری کا امتحان ہے جو تم نے پاس کرنا ہے اگر اس میں کامیاب ہوگئے تو پھر مڈل اور انٹرنس اور ایف اے اور بی اے وغیرہ کا امتحان دینا ہوگا۔ پس اگر تم ایم اے بننا چاہتے ہو تو نیچے کے امتحان پاس کرو اور اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو قربان کرنے کیلئے تیار ہوجاؤ اور حوادث کے سمندر میں یہ کہتے ہوئے کُود جاؤ

ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

اور یاد رکھو کہ ان امتحانوں کا پاس کرنا ذلت نہیں بلکہ ان میں سے نکلنے کے بعد ہر شخص کندن بنتا چلا جاتا ہے۔

سکیم کی اہمیت بتانے پر ہی میں آج کے خطبہ کو ختم کرتا ہوں اور سکیم کا حصہ اگلے جمعہ پر ملتوی کرتا ہوں کیونکہ میں نے جو نوٹ لکھے ہیں ان میں مَیں ابھی تک کوئی ترتیب قائم نہیں کرسکا۔ اس سکیم کے بیان کرنے میں جتنی دیر ہوتی چلی جارہی ہے اس سے ان لوگوں کے استقلال کا امتحان ہوتا جارہا ہے جنہوں نے قربانی کیلئے اپنا نام پیش کیا' ان پولیس والوں کے صبر کا بھی امتحان ہو رہا ہے جو میرا خطبہ لکھنے کیلئے آجاتے ہیں' گورنمنٹ کے صبر کا امتحان بھی ہو رہا ہے کیونکہ وہ منتظر ہے کہ میں کیا کہتا ہوں۔ پس اس وقت سب کے صبر کا امتحان ہو رہا ہے بقیہ باتیں میں اِنْشَاءَ اللّٰہُ اگلے خطبہ جمعہ میں بیان کروں گا مگر مضمون کا پہلا حصہ

چونکہ عورتوں سے خصوصیت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے مَیں اعلان کرتا ہوں کہ اس دن عورتیں کثرت سے آئیں مسجد کے پاس کے دفتر کے حصے بھی ان کیلئے خالی کردینے چاہئیں۔ اور گو ان کی چھتیں کمزور ہیں (اگرچہ دفتر کی چھتیں کمزور نہیں ہونی چاہئیں) مگر پھر بھی سو ڈیڑھ سو عورتیں اوپر بیٹھ سکتی ہیں۔ بہرحال عورتوں کا آنا ضروری ہے کیونکہ سکیم کا ابتدائی حصہ خصوصیت سے عورتوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور اگر وہ شامل نہ ہوں تو مضمون کا بہت سازور ضائع ہوجاتا ہے۔ اگلے جمعہ بھی دوستوں کو بارہ بجے پہنچ جانے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ خطبہ ساڑھے بارہ بجے شروع کیا جاسکے۔

(الفضل ۲۲۔نومبر ۱۹۳۴ء)

۱؎ السیرة الحلبیة الجزء الثالث صفحہ ۱۲۴-۱۲۵ مطبعة محمد علی صبیح۔ الازہر مصر ۱۹۳۵ء

۲؎ بخاری کتاب المناقب باب مناقب الانصار و باب قول النبی ﷺ للانصار اصبروا حتّٰی تلقونی علی الحوضِ